عائشہ فیس بک پر اپنی بہن کی وال پر اکثر

جبریل کے comments پڑھتی تھی جو وہ اُس کی بہن کے status updates پر دیتا رہتا تھا... عائشہ بھی کئی بار ان updates پر تبصرہ کرنے والوں میں سے ہوتی تھی لیکن جبریل سکندر کی wit کا مقابلہ وہاں کوئی بھی نہیں کر پاتا تھا، اُس کے comments نساء عابدین کی وال پر بالکل الگ چمکتے نظر آتے تھے اور جب وہ کسی وجہ سے وہاں تبصرہ نہیں کر پاتا تو کئی بار اُس کے کلاس فیلوز کے تبصروں کی لمبی قطار کے بیچ میں جبریل کی خاموشی اور غیر حاضری کو بُری طرح miss کیا جاتا اور ان miss کرنے والوں میں سر فہرست عائشہ عابدین تھی جسے خود بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ جبریل کے comments پڑھتے پڑھتے بے حد addictive ہو گئی تھی۔

نساء کے ساتھ جبریل کی مختلف فنکشنز اور سرگرمیوں میں اکثر بہت ساری گروپ فوٹوز نظر آتی تھیں لیکن عائشہ کو ہمیشہ جبریل کی فیملی کے بارے میں curiosity تھی... وہ سالار سکندر سے واقف تھی کیوں کہ اُس کا تعارف نساء نے ہی کروایا تھا، لیکن اُس کی فیملی کے باقی افراد کو دیکھنے کا اُسے بے حد اشتیاق تھا اور یہی اشتیاق اُسے بار بار جبریل کی فرینڈز لسٹ میں نہ ہونے کے باوجود اُس کی تصویروں کو کھوجنے کے لئے مجبور کرتا تھا، جہاں اُسے رسائی حاصل تھی... کچھ تصویریں وہ دیکھ سکتی تھی... کچھ وہ نہیں دیکھ سکتی تھی... لیکن ان تصویروں میں جن تک اُسے رسائی حاصل تھی اُن میں جبریل کی فیملی کی تصاویر نہیں تھیں۔

جبریل بھی غائبانہ طور پر عائشہ سے واقف تھا، اور اس تعارف کی وجہ فیس بک پر نساء کے status updates پر ہونے والے تبصروں میں اُن کا حصہ لینا تھا اور نساء نے اپنی وال پر جبریل کو اپنی بہن سے متعارف کروایا تھا۔ وہ غائبانہ تعارف بس اتنا ہی رہا تھا کیوں کہ جبریل نے کبھی اُس کی ID کھوجنے کی کوشش نہیں کی اور عائشہ کی اپنی وال پر تصویریں بہت کم تھیں، اُس سے بھی زیادہ کم وہ لوگ تھے جنہیں اُس نے اپنی contact list میں add کیا ہوا تھا... نساء کے برعکس اُس کا حلقہ احباب بے حد محدود تھا، اور اُس کی کوشش بھی یہی رہتی تھی کہ وہ اُسے اتنا ہی محدود رکھے۔

عائشہ کو جبریل کے کیس میں ہمیشہ یہ غلط فہمی رہی کہ وہ نساء میں انٹرسٹڈ تھا اور اس تاثر کی بنیادی وجہ خود نساء تھی جو اس بات کو ایڈمٹ کرنے میں کبھی تامّل نہیں کرتی تھی کہ عمر میں اُس سے چھوٹا ہونے کے باوجود وہ جبریل کو پسند

http://Paksociety.com

کرتی تھی... ایک دوست کے طور پر جبریل کی اُس سے بے تکلفی تھی، ویسی ہی بے تکلّفی جیسی اُس کی اپنی دوسری کلاس فیلوز سے بھی تھی اور نساء نے کبھی اس بے تکلّفی کو misinterpret نہیں کیا تھا۔ کیوں کہ جبریل لڑکیوں کے ساتھ بے تکلّفی اور دوستی میں بھی بہت ساری حدود و قیود رکھتا تھا اور بے حد محتاط تھا۔ نساء عمر میں اُس سے چار سال بڑی تھی... وہ اپنے قد کاٹھ اور maturity دونوں سے پندرہ سولہ سال کا نہیں لگتا تھا اور نساء یہ بھی جانتی تھی۔ یونیورسٹی میں اتنا وقت گزار لینے کے باوجود جبریل ابھی تک گرل فرینڈ نامی کسی بھی چیز کے بغیر تھا، تو ایسے حالات میں سالار سکندر کی اُس لائق اولاد پر قسمت آزمائی کرنے کے لئے کوئی بھی تیّار ہو سکتا تھا... صرف نساء ہی نہیں۔

عائشہ عابدین ان سب چیزوں سے واقف تھی... نساء کی جبریل میں دلچسپی اُن کے گھر میں ایک اوپن سیکرٹ تھا لیکن ان دونوں کے future کے حوالے سے نہ تو اُن کو کوئی assurance تھی نہ ہی کسی اور کو... نساء ذہانت اور قابلیت سے متاثر ہونے والوں میں سے تھی اور جبریل سکندر وہ پہلا شخص نہیں تھا جس نے اُسے متاثر کیا تھا، مگر فی الحال یہ جبریل ہی تھا جس کا ذکر وہ کرتی رہتی تھی۔

عائشہ عابدین ایک passive observer کی طرح یہ سب کچھ دیکھتی آ رہی تھی اور جب تک وہ جبریل سے ملی، وہ اُس سے پہلے ہی بہت متاثر تھی۔

یونیورسٹی کے ایک فنکشن میں وہ پہلی بار جبریل سے بالآخر ملنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ نساء کو اندازہ نہیں تھا کہ عائشہ صرف جبریل سے ملنے کے لئے اُس کے ساتھ یونیورسٹی آنے پر تیّار ہوئی ہے، ورنہ وہ جب بھی امریکہ آتی اُن سب کی کوششوں کے باوجود اپنی مرضی کی جگہوں کے علاوہ کہیں نہیں جاتی تھی... یونیورسٹی میں ہونے والی کوئی تقریب تو وہ شاید کوئی آخری چیز تھی جس کے لئے عائشہ یونیورسٹی آئی اور نساء نے یہ بات جبریل سے اُسے متعارف کرواتے ہوئے کہہ بھی دی تھی۔

جبریل سکندر وہ پہلا لڑکا تھا جسے دیکھنے کا عائشہ عابدین کو اشتیاق ہوا تھا اور جبریل سکندر ہی وہ پہلا لڑکا تھا جسے عائشہ

عابدین اپنے ذہن سے نکالنے میں اگلے کئی سال تک کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

تصویریں کبھی کبھار کسی شخص کی شخصیت اور وجاہت کو کیموفلاج کر دیتی ہیں... اور بہت اچھا کرتی ہیں۔ محمد جبریل سکندر charismatic تھا... خطرناک حد تک متاثر اور مرعوب کرنے والی شخصیت رکھتا تھا... 16 سال کی عمر میں بھی وہ تقریباً چھے فٹ قد کے ساتھ سالار سکندر کی گہری سیاہ آنکھیں اور اپنی ماں کے تیکھے نین نقوش اور بے حد بھاری آواز کے ساتھ ایک عجیب ٹھہراؤ کا منبع دِکھتا تھا... ایک بے حد casual ڈارک بلو جینز اور دھاری دار بلیک اینڈ وائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس جبریل سکینک مسکراتے ہوئے پہلی بار عائشہ عابدین سے مخاطب ہوا تھا اور وہ بُری طرح نروس ہوئی تھی... وہ نروس ہونا نہیں چاہتی تھی لیکن جبریل سے وہاں کھڑے صرف مخاطب ہونا بھی اُسے اُس کے پیروں سے ہلانے کے لئے کافی تھا۔ وہ صرف نساء ہی نہیں کسی بھی عمر کی کسی بھی لڑکی کو پاگل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ عائشہ عابدین نے دل ہی دل میں اعتراف کیا تھا۔

"کیوں؟ آپ کو اچھا نہیں لگتا امریکہ آ کر گھومنا پھرنا؟" اُس نے نساء کے کسی تبصرے پر عائشہ سے پوچھا تھا۔

"نہیں مجھے اچھا لگتا ہے، لیکن بہت زیادہ نہیں۔" وہ گڑبڑائی۔ اُس نے خود کو سنبھالا، پھر جبریل کے سوال کا جواب دیا جس کی آنکھیں اُسی پر ٹکی ہوئی تھیں۔ وہ اب سینے پر بازو لپیٹے ہوئے تھا۔ وہ اُس کے جواب پر مسکرایا تھا پھر اُس نے نساء کو فنکشن کے بعد عائشہ کے ساتھ کسی ریسٹورنٹ میں کافی کی دعوت دی تھی جو نساء نے قبول کر لی تھی، وہ دونوں اپنے کچھ دوستوں کا انتظار کرتے ہوئے گپ شپ میں مصروف ہو گئے تھے... عائشہ ایک بار پھر passive observer بن گئی تھی۔ نساء ایک بہت dominating لڑکی تھی اور گھر میں وہ ہر کام اپنی مرضی اور اپنے طریقے سے کروانے کی عادی تھی لیکن عائشہ نے نوٹس کیا تھا، نساء جبریل کے ساتھ اُس طرح نہیں کر رہی تھی۔ وہ اُس کی پوری بات سن کر کچھ کہتی اور اُس کی بہت سی باتوں سے اتفاق کر رہی تھی۔ ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے عائشہ عابدین کو وہ بے حد اچھے لگ رہے تھے... ایک پرفیکٹ کپل... جس پر اُسے رشک آ رہا تھا اور جبریل سے اس طرح متاثر ہونے کے باوجود وہ

اُسے نساء کی زندگی کے ساتھی کے طور پر ہی دیکھ رہی تھی...نساء کا taste اور چوائس ہر چیز میں اچھی اور منفرد تھی اور جبریل اُس کا ایک اور ثبوت ہے۔

فنکشن کے بعد وہ نساء اور جبریل کے کچھ دوستوں کے ساتھ ایک کیفے میں کافی پینے گئی تھی، یہ ایک اتفاق تھا یا خوش قسمتی کہ چھے لوگوں کے اُس گروپ میں جبریل اور عائشہ کی سیٹس ایک دوسرے کے ساتھ تھیں۔ نساء جبریل کے بالمقابل میز کے دوسری جانب تھی اور عائشہ کے دوسری طرف نساء کی ایک اور دوست سوزین۔

عائشہ عابدین کی nervousness اب اپنی انتہا کو تھی۔ وہ اُس کے اتنے قریب تھی کہ اُس کے پرفیوم کی خوشبو محسوس کر رہی تھی۔ ٹیبل پر دھرے اُس کے ہاتھ کی کلائی میں بندھی گھڑی سے ڈائل پر ٹک ٹک کرتی سوئی دیکھ سکتی تھی لیکن اگر وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی تو وہ گردن موڑ کر اُسے اتنے قریب سے دیکھنا تھا...وہ غلط جگہ بیٹھ گئی تھی عائشہ عابدین کو مینیو دیکھتے ہوئے احساس ہوا تھا۔

جبریل میزبان تھا اور وہ سب ہی سے پوچھ رہا تھا، اُس نے عائشہ سے بھی پوچھا تھا۔ عائشہ کو مینیو کارڈ پر اُس وقت کچھ بھی لکھا نہیں دکھ رہا تھا۔ جو دکھ بھی رہا تھا وہ اس احساس سے غائب ہو گیا تھا کہ وہ گردن موڑ کر اُسے دیکھ رہا تھا۔

"جو سب لیں گے میں بھی لے لوں گی۔" عائشہ نے جیسے سب سے محفوظ حل تلاش کیا تھا، جبریل مسکرایا اور اُس نے اپنا اور اُس کا آرڈر ایک ہی جیسا نوٹ کروایا۔ وہ ایک ویجی ٹیبل پیزا تھا جسے اُس نے ڈرنکس کے ساتھ آرڈر کیا تھا اور بعد میں کافی کے ساتھ چاکلیٹ موز...نساء اپنا آرڈر پہلے دے چکی تھی اور باقی سب لوگ بھی اپنے آرڈر نوٹ کروا رہے تھے...ہیم برگر...شرمپس...turkey stuffed...یہ امریکن دوستوں کے آرڈرز تھے...نساء نے ایک Salmon Sandwich منگوایا تھا۔

"میں اس سال میڈیکل میں چلی جاؤں گی،

میرا ایڈمیشن ہو گیا ہے۔" روٹین کی گفتگو کے دوران جبریل کے سوال پر یک دم اُس نے بتایا۔

"Fantastic!" اُس نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ خود بھی میڈیسن میں ہی جا رہا تھا۔

وہ سب لوگ گفتگو میں مصروف تھے اور اس گفتگو میں اُس کی خاموشی کو جبریل ہی وقتاً فوقتاً ایک سوال سے توڑتا... وہ جیسے اُسے بوریت سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا یا پھر engage کرنے کی... اور عائشہ نے یہ چیز محسوس کی تھی۔ وہ جن ٹین ایجرز کو جانتی تھی، وہ اور طرح کے تھے... یہ اور طرح کا تھا۔

کھانا آنے پر وہ اُسی طرح گفتگو میں مصروف خود کھانے کے ساتھ ساتھ عائشہ کو بھی سمجھ کر تا رہا۔ یوں جیسے وہ روٹین میں یہ سب کرنے کا عادی رہا ہو۔

محمد جبریل سکندر سے ہونے والی وہ پہلی ملاقات اور اُس میں ہونے والی ایک ایک چیز عائشہ عابدین کے ذہن اور دل دونوں پر نقش ہو گئی تھیں۔

"جس بھی لڑکی کا یہ نصیب ہو گا، وہ بے حد خوش قسمت ہو گی۔" اُس نے سوچا تھا "کاش یہ نساء ہی کو مل جائے!" اُس نے بے حد دل سے خواہش اور دعا کی تھی۔ اُس عمر میں بھی اُس نے اپنی زندگی کے حوالے سے کچھ بھی سوچنا شروع نہیں کیا تھا۔ اگر کرتی تو جبریل وہ پہلا لڑکا ہوتا جس جیسے شخص کی خواہش وہ اپنے لئے بھی کرتی۔ جبریل نے اُس کے لاشعور کو اُس پہلی ملاقات میں اس طرح اثر انداز کیا تھا۔

"میں تمہارے لئے بہت دعا کر رہی ہوں نساء... کہ تمہاری شادی جبریل سے ہو جائے... جب بھی ہو... وہ بہت اچھا ہے۔" اس کیفے سے اُس شام گھر واپس آنے کے بعد عائشہ نے نساء سے کہا تھا۔ وہ جواباً ہنسی۔

http://Paksociety.com

"خیر ابھی شادی وغیرہ کا تو کوئی سین نہیں ہو سکتا ہم دونوں کے لئے... وہ بہت young ہے اور مجھے اپنا کیریئر بنانا ہے، لیکن مجھے وہ بہت پسند ہے... اور اگر کبھی بھی اُس نے مجھ سے کچھ کہا تو میں انکار نہیں کروں گی... کون انکار کر سکتا ہے جبریل کو۔" اپنے بیڈ روم میں کپڑے تبدیل کرنے کے لئے نکالتے ہوئے نساء نے اُس سے کہا۔

"اُس کے ماں باپ نے بہت اچھی تربیت کی ہے اُس کی... تم نے دیکھا وہ کس طرح تمہیں توجہ دے رہا تھا۔ مجھے یاد نہیں میں کبھی اپنے ساتھ کوئی guest لے کر گئی ہوں اور جبریل نے اُسے اس طرح attention نہ دی ہو۔" وہ کہتی چلی گئی۔ عائشہ کا دل عجیب بیڈ نداز میں بُجھا... تو وہ توجہ سب ہی کے لئے ہوتی تھی اور عادت تھی، favor نہیں۔ اُس نے کچھ مایوسی سے سوچا "Fair enough"

"تمہیں پتہ ہے مجھے کیوں اچھا لگتا ہے وہ...؟" نساء اُس سے کہہ رہی تھی "وہ حافظِ قرآن ہے... بے حد practising ہے... کبھی تم اُس کی تلاوت سنو... لیکن اتنا مذہبی ہونے کے باوجود وہ بہت لبرل ہے... تنگ نظر نہیں ہے جیسے بہت سارے new born Muslims ہو جاتے ہیں... نہ ہی اس کو میں نے کبھی دوسروں کے حوالے سے judgemental پایا ہے... مجھے نہیں یاد کبھی اُس نے میرے یا کسی اور فی میل کلاس فیلو کے لباس کے حوالے سے کچھ کہا ہو... یا ویسے کسی کے بارے میں comment کیا ہو... Never"

نساء کہتی جا رہی تھی وہ لباس کے معاملے میں خاصی ماڈرن تھی اور اُسے یہ قابلِ قبول نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی اُس پر اس حوالے سے کوئی قدغن لگاتا اور جبریل میں اُسے یہ خوبی بھی نظر آ گئی تھی۔

عائشہ بالکل کسی سحر زدہ معمول کی طرح یہ سب سُن رہی تھی۔ نساء کے انکشافات نے جیسے عائشہ کے لئے اُس کی زندگی کے آئیڈیل لائف پارٹنر کی چیک لسٹ میں موجود اینٹریز کی تعداد بڑھا دی تھی۔

اُس رات عائشہ عابدین نے بڑی ہمّت کر کے

جبریل کو فرینڈ ریکویسٹ بھیجی تھی اور پھر کئی گھنٹے وہ اس انتظار میں رہی کہ وہ کب اُسے add کرتا ہے۔

وہ فجر کے وقت نماز کے لئے اُٹھی تھی اور اُس وقت نماز پڑھنے کے بعد اُس نے ایک بار پھر فیس بُک چیک کیا تھا اور خوشی کی ایک عجیب لہر اُس کے اندر سے گزری تھی، وہ add ہو چکی تھی... اور جو پہلی چیز عائشہ نے کی تھی، وہ اُس کی تصویروں میں اُس کی فیملی کی تصویروں کی تلاش تھی اور اُسے ناکامی نہیں ہوئی تھی۔ اُس کے اکاؤنٹ میں اس کی فیملی

کی بہت ساری تصاویر تھیں... سالار سکندر کی... حجاب میں ملبوس امامہ کی... اُس کی ٹین ایجر بہن عنایہ کی... حمین کی... اور رئیسہ کی... جبریل کے انکلز اور کزنز کی جو اُن کی فیملی کے برعکس بے حد ماڈرن نظر آ رہے تھے لیکن اُن سب میں عجیب ہم آہنگی نظر آ رہی تھی۔

وہ جبریل سکندر سے دوستی کرنا چاہتی تھی لیکن وہ ہمّت نہیں کر پائی تھی... لیکن وہ اور اُس کی فیملی یک دم جیسے اُس کے لئے ایک آئیڈیل فیملی کی شکل اختیار کر گئے تھے... ایسی فیملی جس کا وہ حصہ بننا چاہتی تھی... وہ اُس فیملی کا حصہ نہیں بن سکی تھی لیکن عائشہ عابدین کو احسن سعد اور اُس کی فیملی سے پہلی بار متعارف ہو کر بھی ایسا ہی لگا تھا کہ وہ جبریل سکندر جیسا خاندان تھا... اور احسن سعد جبریل سکندر جیسا مرد... قابل، باعمل مسلمان، حافظِ قرآن...

عائشہ عابدین نے جبریل سکندر کے دھوکے میں احسن سعد کو اپنانے کا فیصلہ کیا تھا۔

******

اس کتاب کا پہلا باب اگلے نو ابواب سے مختلف تھا۔ اسے پڑھنے والا کوئی بھی شخص یہ فرق محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہ پہلا باب اور اگلے نو ابواب ایک شخص کے لکھے ہوئے نہیں لگ رہے تھے۔ وہ ایک شخص نے لکھے تھے بھی نہیں۔

http://Paksociety.com

وہ جانتی تھی وہ اُس کی زندگی کی پہلی بد دیانتی

تھی، لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ وہی آخری بھی ہو گی۔ اس کتاب کا پہلا باب اس کے علاوہ اب اور کوئی نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اُس نے پہلا باب بدل دیا تھا۔

نم آنکھوں کے ساتھ اُس نے پرنٹ کمانڈ دی۔ پرنٹر برق رفتاری سے وہ پچاس صفحے نکالنے لگا جو اس کتاب کا ترمیم شدہ پہلا باب تھا۔

اُس نے ٹیبل پر پڑی ڈسک اُٹھائی اور بے حد تھکے ہوئے انداز میں اُس پر ایک نظر ڈالی۔ پھر اُس نے اسے دو ٹکڑوں میں توڑ ڈالا... پھر چند اور ٹکڑے... اپنی ہتھیلی پر پڑے ان ٹکڑوں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اُس نے انہیں ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔

ڈسک کا کور اُٹھا کر اُس نے زیرِ لب اس پر لکھے چند لفظوں کو پڑھا، پھر چند لمحے پہلے لیپ ٹاپ سے نکالی ہوئی ڈسک اُس نے اس کور میں ڈال دی۔

پرنٹر تب تک اپنا کام مکمل کر چکا تھا۔ اُس نے ٹرے میں سے ان صفحات کو نکال دیا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ اس نے اُنہیں ایک فائل کور میں رکھ کر اُنہیں دوسری فائل کورز کے ساتھ رکھ دیا جن میں اس کتاب کے باقی نو ابواب تھے۔

ایک گہرا سانس لیتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ کھڑے ہو کر اُس نے ایک آخری نظر اُس لیپ ٹاپ کی مدھم پڑتی سکرین پر ڈالی۔

سکرین تاریک ہونے سے پہلے اس پر ایک تحریر اُبھری تھی "Will be waiting!"

اُس کی آنکھوں میں ٹھہری نمی یک دم چھلک

پڑی تھی۔ وہ مسکرا دی سکرین اب تاریک ہونے لگی۔ اُس نے پلٹ کر ایک نظر کمرے کو دیکھا پھر بیڈ کی طرف چلی آئی۔ ایک عجیب سی تھکن اُس کے وجود پر چھانے لگی تھی۔ اس کے وجود پر یا ہر چیز پر... بیڈ پر بیٹھ کر چند لمحے اُس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑی چیزوں پر نظر دوڑائی۔

وہ پتہ نہیں کب وہاں اپنی رسٹ واچ چھوڑ گیا تھا... شاید رات کو جب وہ وہاں تھا، وہ وضو کرنے گیا تھا۔ پھر شاید اُسے یاد ہی نہیں رہا تھا۔ وہ رسٹ واچ اٹھا کر اُسے دیکھنے لگی۔ سیکنڈز کی سوئی کبھی نہیں رُکتی، صرف منٹ اور گھنٹے ہیں جو رُکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سفر ختم ہوتا ہے... سفر شروع ہو جاتا ہے۔

بہت دیر تک اس گھڑی پر انگلیاں پھیرتی وہ جیسے اس کے لمس کو کھوجتی رہی۔ وہ لمس وہاں نہیں تھا۔ وہ اس کے گھر کی واحد گھڑی تھی جس کا ٹائم بالکل ٹھیک ہوتا تھا۔ صرف منٹ نہیں... سیکنڈز تک... کاملیت اس گھڑی میں نہیں تھی، اس شخص کے وجود میں تھی جس کے ہاتھ پر وہ ہوتی تھی۔

اُس نے آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے اس گھڑی کو دوبارہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ کمبل اپنے اوپر کھینچتے ہوئے وہ بستر پر لیٹ گئی۔ اُس نے لائٹ بند نہیں کی تھی۔ اُس نے دروازہ بھی مقفل نہیں کیا تھا۔ وہ اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ بعض دفعہ انتظار بہت "لمبا" ہوتا ہے... بعض دفعہ انتظار بہت مختصر ہوتا ہے۔

اُس کی آنکھوں میں نیند اُترنے لگی۔ وہ اسے نیند سمجھ رہی تھی... ہمیشہ کی طرح آیت الکرسی کا ورد کرتے ہوئے وہ اُسے چاروں طرف پھونک رہی تھی۔ جب اُسے وہ یاد فریا۔ وہ اس وقت وہاں ہوتا تو اُس سے آیت الکرسی اپنے اوپر پھونکنے کی فرمائش کرتا۔

بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑے ایک فوٹو فریم کو اُٹھا کر

اس نے بڑی نرمی کے ساتھ اُس پر پھونک ماری۔ پھر فریم کے شیشے پر جیسے کسی نظر نہ آنے والی گرد کو اپنی انگلیوں سے صاف کیا، چند لمحے تک وہ فریم میں اس ایک چہرے کو دیکھتی رہی پھر اُس نے اس کو دوبارہ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ سب کچھ جیسے ایک بار پھر سے یاد آنے لگا تھا۔ اُس کا وجود ایک یک پھر سے ریت بننے لگا تھا۔ آنکھوں میں ایک بار پھر سے نمی آنے لگی تھی۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ آج "اُسے" بہت دیر ہو گئی تھی۔

امامہ نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولی تھیں۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ سالار اُس کے برابر میں سو رہا تھا۔ اُس نے وال کلاک پر نظر ڈالی، رات کا آخری پہر تھا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی... عجیب خواب تھا... وہ کس کا انتظار کر رہی تھی اُسے خواب میں بھی سمجھ نہیں آیا تھا... کتاب کے وہ دس ابواب سالار کے تھے... وہ کتاب سالار ہی لکھ رہا تھا اور ابھی تک اُس کے نو ابواب لکھے جا چکے تھے... دسواں نہیں... وہ گھڑی بھی سالار کی تھی اور سالار نے حمین کی پچھلی برتھ ڈے پر اُس کی ضد

اور اصرار پر اُسے دی تھی اور اب وہ گھڑی حمین باندھتا تھا... اور اُس نے خواب میں اپنے آپ کو بوڑھا دیکھا تھا... وہ اُس کا مستقبل تھا... وہ کسی کو یاد کر رہی تھی کسی کے لئے اداس تھی، مگر کس کے لئے... اور وہ کسی کا انتظار کر رہی تھی اور کوئی نہیں آ رہا تھا... مگر کون... اور پھر وہ تحریر... Will be waiting... وہ خواب کی ایک ایک detail کو دہرا رہی تھی... ایک ایک جزئیات کو دہرا سکتی تھی۔

وہ بستر سے اُٹھ گئی، بے حد بے چینی کے عالم میں... اُن کی پیکنگ مکمّل ہو چکی تھی۔ وہ اس گھر میں اُن کی آخری رات تھی اُس کے بعد وہ اُن سب کے ساتھ پاکستان جانے والی تھی اور سالار اور جبریل کو وہیں رہ جانا تھا۔

ایک بار پھر سے اُس کا گھر ختم ہو جانا تھا... یہ

جیسے اُس کی زندگی کا ایک پیٹرن ہی بن گیا تھا... گھر بننا... گھر ختم ہونا... پھر بننا... پھر ختم ہونا... ایک عجیب ہجرت تھی جو ختم ہی نہیں ہوتی تھی اور اس ہجرت میں اپنے گھر کی وہ خواہش اور خواب پتہ نہیں کہاں چلا گیا تھا... وہ اُس رات اس طرح خواب سے جاگنے کے بعد بھی بہت اُداس تھی۔

پہلے وہ سالار کی بے انتہا مصروفیت کی وجہ سے اُس کے بغیر اپنے آپ کو رہنے کی عادی کر پائی تھی اور اب پاکستان چلے جانے کے بعد اُسے جبریل کے بغیر بھی رہنا تھا۔

وہ چلتے ہوئے کمرے میں موجود صوفہ پر جا کر بیٹھ گئی۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے اُس کے سر میں تحاد ہونے لگا تھا... اور صوفہ پر بیٹھتے ہوئے اُسے ایک بار پھر اُس خواب کا خیال آنے لگا تھا... اُس خواب کے بارے میں سوچتے سوچتے وہ بُری طرح ٹھٹھکی... کتاب کے دس ابواب... اُس کی اُداسی... اُس کا بڑھاپا... کسی کو یاد کرنا۔

اُسکتے دآیا تھا اُس کتاب کا ہر باب سالار کی زندگی کے پانچ سالوں پر مشتمل تھا... ڈاکٹرز نے سالار کو سات سے دس سال کی زندگی کی مہلت دی تھی اور کتاب کا دسواں باب 50 سال کے بعد ختم ہو رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ)

قسط نمبر 21

تبارک الّذی

پریذیڈنٹ نے کافی کا خالی کپ واپس میز پر رکھ دیا۔ پچھلے پانچ گھنٹے میں یہ کافی کا آٹھواں کپ تھا جو اس نے پیا تھا۔ اُس نے زندگی میں کبھی اتنی کافی نہیں پی تھی، مگر زندگی میں کبھی اُسے اس طرح کا فیصلہ بھی نہیں کرنا پڑا تھا۔ وہ آگے گڑھا اور پیچھے کھائی والی صورت حال سے دوچار تھا اور اپنے عہدِ صدارت کے ایک بہت غلط وقت پر ایسی صورت حال سے دوچار ہوا تھا۔

کانگریس کے الیکشنز سر پر تھے اور یہ فیصلہ ان الیکشنز کے نتائج پر بری طرح اثر انداز ہوتا۔ بری طرح کا لفظ شاید ناکافی تھا، اس کی پارٹی دراصل الیکشن ہار جاتی لیکن اس فیصلہ کو نہ کرنے کے اثرات زیادہ مضر تھے۔ وہ اسے جتنا ٹال سکتا تھا، ٹال چکا تھا، جتنا کھینچ سکتا تھا، کھینچ چکا تھا۔ اب اُس کے پاس ضائع کرنے کے لئے وقت نہیں تھا۔ کچھ lobbies کی قوتِ برداشت جواب دے رہی تھی۔ کچھ power players دبے لفظوں میں اپنی ناراضگی اور شدید ردِّ عمل سے اُسے خبردار کر رہے تھے۔ فارن آفس اُسے مسلسل متعلقہ ممالک سے امریکی سفارت خانوں کی تقریباً روزانہ کی بنیاد پر آنے والی queries اور concerns کے بارے میں آگاہ کر رہا تھا اور خود وہ دو ہفتے کے دوران مستقل ہاٹ لائن پر رہا تھا۔

امریکہ کی بین الاقوامی پسپائی ایک الیکشن ہارنے سے زیادہ سنگین تھی مگر اس کے پاس آپشنز نہ ہونے کے برابر تھے، اپنی کیبنٹ کے چھے اہم ترین ممبرز کے ساتھ پانچ گھنٹوں کی طویل گفت و شنید کے بعد وہ جیسے تھک کر پندرہ منٹ کی ایک بریک لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اور اس وقت وہ اس بریک کے آخری چند کچھ منٹ گزار رہا تھا۔

ٹیبل سے کچھ پیپرز اُٹھا کر وہ دوبارہ دیکھنے لگا تھا، وہ کیبنٹ آفس میں ہونے والی پانچ گھنٹے کی طویل میٹنگ کے اہم نکات تھے۔ اُس کی کیبنٹ کے وہ چھے ممبرز دو برابر گروپس میں بٹے ہوئے دو مختلف لابیز کے ساتھ تھے۔ وہ ٹائی اس کے کاسٹنگ ووٹ سے ٹوٹنے والی تھی اور یہی چیز اسے اتنا بے بس کر رہی تھی۔ اس فیصلے کی ذمّہ داری ہر حال میں اسی کے سر پر آ رہی تھی۔ یہ اس کے عہدِ صدارت میں ہوتا اور اُس کے کاسٹنگ ووٹ سے ہوتا۔ اگر ہوتا تو۔۔۔ اور اس ذمّہ داری کو وہ لاکھ کوشش کے باوجود کہیں اور منتقل نہیں کر پا رہا تھا۔

اُس نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات کو ایک نظر پھر دیکھنا شروع کیا۔ وہ بُلٹ پوائنٹس اس وقت حقیقتاً اُسے بُلٹس کی طرح لگ رہے تھے۔

بریک کے آخری دو منٹ باقی تھے جب وہ ایک فیصلہ پر پہنچ گیا تھا۔ بعض دفعہ تاریخ بنانے والے کے ہاتھوں کو خود جکڑ کر خود کو بنواتی ہے۔

اور تاریخ 17 جنوری 2030 کو بھی یہی کر رہی تھی۔

******

ہشام نے پہلی بار اُس لڑکی کو سوڈان میں دیکھا تھا۔۔۔ UNHCR کے ایک کیمپ پر کسی پناہ گزین گونگی عورت کے ساتھ اشاروں میں بات کرتے اور اُسے کچھ سمجھاتے۔ وہ پاکستانی یا انڈین تھی۔۔۔ ہشام نے اُس کے نقوش اور رنگت سے اندازہ لگایا تھا، اور پھر اُس کے گلے میں لٹکے کارڈ پر اُس کا نام پڑھ کر اُسے اُس کا نام پتہ چل گیا تھا۔

بے حد معمولی شکل و صورت کی ایک بے حد دبلی پتلی گھنے بالوں والی ایک سانولی رنگت کی ایک دراز قامت لڑکی۔۔۔ اُس کا پانچ فٹ سات انچ قد اُس کی واحد خاصیت لگی تھی اُس پہلی ملاقات میں ہشام کو۔

وہ ایک عورت سے بات کرتے کرتے ہشام کی طرف متوجہ ہوئی، ایک co-worker کے طور پر اُسے مسکراہٹ دی اور ہاتھوں کے اشارے سے ہیلو اور حال چال پوچھا، اُس لڑکی نے بھی ہاتھوں کے اشارے سے اُس کو جواب دیا۔

دونوں نے بیک وقت اپنے گلے میں لٹکے کارڈز پکڑ کر اوپر کرتے ہوئے اور اُس پر انگلی

پھیرتے ہوئے جیسے خود کو متعارف کیا۔ وہ CARE کی ورکر تھی، وہ ریڈ کراس کا اور وہ دونوں USA سے آئے تھے۔ رسمی تعارف اور وہاں کے حالات کے بارے میں اشاروں میں ہی بات کرنے کے بعد وہ دونوں آگے بڑھ گئے تھے۔

اُن کی دوسری ملاقات دوسرے دن ہوئی تھی۔ لکڑی کے عارضی باتھ رومز کی تنصیب و تعمیر والی جگہ پر۔۔۔ وہ آج بھی اُس سے پہلے وہاں موجود تھی اور کچھ تصویریں لے رہی تھی۔ وہ کچھ سامان لے کر وہاں آیا تھا ایک لوڈر گاڑی میں لٹکے۔۔۔ دونوں نے ایک بار پھر اشاروں کی زبان پر رسمی علیک سلیک کی۔

تیسری ملاقات لمبی تھی، وہ ایڈورکرز کے ایک ڈنر میں ملے تھے۔۔۔ ڈنر ہال کے باہر کوریڈور میں۔۔۔ دونوں دس منٹ اشاروں کی زبان میں بات کرتے رہے۔۔۔ وہ پاکستان سے تھی، وہ بحرین سے۔۔۔ وہ نیویارک یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا، وہ سٹی یونیورسٹی نیویارک میں۔۔۔ وہ فنانس کا سٹوڈنٹ تھا، وہ سوشل سائنسز کی۔۔۔ اور ان دونوں کے درمیان کامن چیز صرف ایک تھی۔۔۔ ریلیف ورک، جس میں وہ دونوں اپنی ٹین ایج سے انوالوڈ تھے۔۔۔ اُن دونوں کا Academic C.V اتنا لمبا نہیں تھا جتنا اُن کا Extra-Curricular۔۔۔

کوریڈور میں کھڑے اُن دس منٹوں میں اُن دونوں نے ایک دوسرے کے بارے میں ہی پوچھا اور جانا تھا۔۔۔ اشاروں کی زبان میں سوالات بہت تفصیلی ہو گئے تھے لیکن ہشام کا دل چاہا تھا وہ اُس سے اور بھی سوال کرتا۔۔۔ وہ قوتِ گویائی رکھتی تو وہ کر ہی لیتا۔۔۔ اُس کے ساتھ کھڑے اُس نے سوچا تھا۔۔۔ وہ اُسے اُس شام اتنی ہی دلچسپ لگی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ دونوں ہمیشہ کی طرح مل کر آگے بڑھ جاتے۔۔۔ اُس کوریڈور سے بہت سارے گزرنے والے ایڈورکرز میں سے ایک جو اُن دونوں کو جانتا تھا اُس نے اُنہیں بلند آواز میں دور سے مخاطب کرتے ہوئے ہیلو کہا اور ساتھ حال احوال دریافت کیا۔ وہ دونوں بیک وقت اُس کی طرف مخاطب ہوئے انہوں نے بیک وقت اُس کی ہیلو کا جواب دیتے ہوئے جواباً اُس کی خیریت دریافت کی اور پھر دونوں نے بیک وقت کرنٹ کھا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔۔۔ stunned silence میں۔۔۔ اور پھر دونوں قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔۔۔ اور رہنستے ہی گئے تھے۔۔۔ سُرخ ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ۔۔۔ اپنی شرمندگی چھپانے کے لئے اُن کے پاس اس سے اچھا طریقہ کوئی اور نہیں تھا اُس وقت۔۔۔

اُن دونوں کا پہلا تعارف "خاموشی" نے کروایا تھا اور وہ خاموشی ہمیشہ اُن کے ہر جذبے کی آواز بنی رہی۔۔۔ وہ جیسے اُن کا سب سے دل چسپ کھیل تھا۔۔۔ جب ایک دوسرے سے کچھ بھی خاص کہنا ہوتا تو Sign Language میں بات کرنے لگتے۔۔۔ ہنستے کھکھلاتے، بوجھتے، بھٹکتے، سنبھلتے، سمجھتے۔۔۔ کیا کھیل تھا۔۔۔!!

وہ اُس وقت یونیورسٹی میں ابھی گئے ہی تھے۔۔۔ ہشام کو حیرت تھی اُن کی ملاقات اس سے پہلے کیوں نہیں ہوئی۔ وہ دونوں ایک جیسی relief agencies کے ساتھ کام کر رہے تھے، لیکن اس سے پہلے وہ صرف امریکہ کے اندر ہی طوفانوں اور سیلابوں کے دوران ہونے والے ریلیف ورک سے منسلک رہے تھے، یہ پہلا موقع تھا کہ وہ دونوں امریکہ سے باہر ہونے والے کسی ریلیف کیمپ میں حصّہ لینے کے لئے گئے تھے۔

نیویارک واپسی کے بعد بھی اُن دونوں کا رابطہ آپس میں ختم نہیں ہوا تھا۔۔۔ دو مختلف یونیورسٹیز میں ہونے کے باوجود وہ ایک دوسرے سے وقتاً فوقتاً مختلف سوشل ایونٹس میں ملتے رہتے تھے کیوں کہ دونوں مسلمان طلبہ کی تنظیم سے بھی وابستہ تھے۔۔۔ اور پھر یہ رابطہ وقتاً فوقتاً ان سوشل ایونٹس سے ہٹ کر بھی ہونے لگا۔۔۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی فیملی سے بھی مل چکے تھے اور اب بہت باقاعدگی سے ملنے لگے تھے۔ دونوں کے والد ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔۔۔

ہشام امریکہ میں بحرین کے سفیر کا بیٹا تھا، اور بحرین کے سفارت خانے میں ہونے والی اکثر گیدرنگز میں اُسے بھی انوائیٹ کیا جاتا تھا۔ اُس کی ماں ایک فلسطینی نژاد ڈاکٹر تھی اور اس کا باپ امریکہ کے علاوہ بہت سے یورپین ممالک میں بحرین کی نمائندگی کر چکا تھا۔ دو بہن بھائیوں میں وہ بڑا تھا اور اُس کی بہن ابھی ہائی سکول میں تھی۔

ریلیف ورک میں دل چسپی ہشام کو اپنی ماں سے وراثت میں ملی تھی جو ہشام کے باپ سے شادی سے پہلے ریڈ کراس کے ساتھ منسلک تھی اور فلسطین میں ہونے والے ریلیف کیمپس میں اکثر اُن امدادی ٹیموں کے ساتھ جاتی تھی جو امریکہ سے جاتی تھیں، شادی کے بعد اُس کا وہ کام صرف فنڈز اکٹھے کرنے اور donations تک محدود رہ گیا تھا۔ مگر ہشام نے اپنی ماں فاطمہ سے یہ شوق وراثت میں لیا تھا۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ شوق بڑھتا ہی گیا تھا۔

اُس لڑکی سے ملنے کے بعد اُسے اپنا شوق اور جنوں بہت کم اور کمتر لگا تھا۔ وہ اُس کم عمری میں جن ریلیف پروجیکٹس کے ساتھ منسلک رہی تھی، بہت کم ایسا ہوا تھا کہ ریلیف آپریشن کے بعد بہترین خدمات کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے والوں میں اُس کا نام نہ ہوتا۔

اُس سے میل جول کے آغاز ہونے کے بعد ہشام کو احساس ہوا کہ اُن کے درمیان انسانیت کی خدمت کا جذبہ ایک واحد کامن چیز نہیں تھی، اور بھی بہت سی دلچسپیاں مشترکہ تھیں اور صرف دلچسپیاں اور مشاغل ہی نہیں۔۔۔ خصوصیات بھی۔۔۔ دونوں کتابیں پڑھنے کے شوقین تھے اور بہت زیادہ۔۔۔ دونوں کو تاریخ میں دل چسپی تھی۔۔۔ دونوں پھرنے پھرانے کے شوقین تھے اور دونوں بہت زیادہ باتونی نہیں تھے۔۔۔ سوچ سمجھ کر بات کرنے کے عادی تھے۔

ہشام کی پوری زندگی لڑکیوں کے ساتھ مخلوط تعلیمی ماحول اور معاشرے میں گزری تھی۔۔۔ نہ اُس کے لئے لڑکیاں نئی چیز تھیں، نہ اُن سے دوستی۔۔۔ لیکن زندگی میں پہلی بار وہ کسی لڑکی سے متاثر ہو کر اُس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اُس کا کبھی کوئی آئیڈیل نہیں رہا تھا لیکن اُسے لڑکیوں میں جو چیزیں اٹریکٹ کرتی تھیں، اُن میں سے کوئی بھی چیز اُس لڑکی میں نہیں تھی۔۔۔ نہ وہ حسین تھی۔۔۔ نہ سٹائلش، نہ ایسی ذہین کہ اگلے کو چاروں شانے چِت کر دے لیکن اس کے باوجود وہ اُسے کسی مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتی تھی۔۔۔ نظر کا ایک جدید انداز کا چشمہ لگائے وہ سادہ سی جینز اور کُرتیوں میں اکثر flip flops میں بہت سی stilleto heels والی لڑکیوں کے سامنے ہشام کو زیادہ پرکشش محسوس ہوتی تھی۔۔۔ خود میں مگن، دوسروں سے بے نیاز۔۔۔ کالر ڈ کُرتیوں اور شرٹس میں سر کے بال جُوڑے کی شکل میں باندھے اپنی لمبی نیلی گردن کو کسی راج ہنس کی طرح لہراتی وہ ہمیشہ اُسے فون یا ٹیبلٹ ہاتھ میں پکڑے اپنے حال میں مگن ملتی تھی، اُن بہت سی دوسری لڑکیوں کے برعکس جو اُسے دیکھتے ہی بے حد attentive ہو جاتی تھیں۔ ہشام عرب تھا، عورت کی اداؤں سے بخوبی واقف ہونے کے باوجود اداؤں ہی سے گھائل ہونے والا، لیکن اُس لڑکی کے پاس کوئی ادا سرے سے تھی ہی نہیں اس کے باوجود وہ گھائل ہو رہا تھا۔

"میرے معاشرے میں اگر مرد کسی عورت کے ساتھ کہیں جائے تو کھانے کا بل وہ دیتا ہے، عورت نہیں۔" ہشام نے پہلی بار اُسے کہیں کھانے کی دعوت دی تھی اور بل کی ادائیگی کے وقت اُسے پرس نکالتے دیکھ کر اُس نے بڑی سنجیدگی

سے روکتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جواباً مسکراتے ہوئے پرس سے کچھ نوٹ نکالتے ہوئے اُس سے بولی "اور میرے باپ نے مجھے کہا تھا کہ اپنے باپ اور بھائی کے علاوہ کسی مرد کے ساتھ بھی کھانا کھاتے ہوئے اپنا بل خود دینا، یہ تمہیں ہر خوش فہمی اور اُسے ہر غلط فہمی سے دور رکھے گا۔۔۔ اس لئے یہ میرے حصّہ کا بل۔۔۔" اُس نے نوٹ میز پر رکھتے ہوئے ہشام سے کہا تھا۔ مسکرائی وہ اب بھی تھی، ہشام چند لمحوں کے لئے لاجواب ہوا تھا۔۔۔ وہ بڑا مہنگا ریسٹورنٹ تھا جہاں وہ اُسے لایا تھا اور وہ جب بھی کسی لڑکی کو وہاں لا کر بل خود ادا کیا کرتا تھا، اُسے اُس لڑکی کی طرف سے بے حد ناز بھرا اور مصنوعی حیرت اور اور گرم جوشی سے بھرپور شکریہ موصول ہوتا تھا۔ آج کچھ خلافِ توقع چیز ہو گئی تھی۔

"ریسٹورنٹ مہنگا تھا میں اس لئے کہہ رہا تھا۔" وہ جملہ اگلے کئی ہفتے ہشام کو اکیلے میں بھی دانت پیسنے پر مجبور کرتا رہا تھا۔۔۔ شرم ساری میں اُس نے زندگی بھر کبھی کسی عورت کو ایسی توجیہہ نہیں دی تھی۔

"شکریہ لیکن میں بہت امیر ہوں۔" اُس لڑکی نے جواباً مسکراتے ہوئے اُس سے کہا۔

"اس کا مطلب ہے تم میرا بل بھی دے سکتی ہو۔" وہ پتہ نہیں کیوں کہنے لگا تھا۔ "بل نہیں دے سکتی لیکن بل دینے کے لئے اُدھار دے سکتی ہوں۔" اُس نے جواباً اُس سے کہا۔

"So very kind of you۔۔۔ پھر دے دو۔۔۔" ہشام نے اُسی روانی سے کہا۔ وہ پہلی بار اُلجھی، اُسے دیکھا پھر اُس نے اپنے پرس سے بل کی بقایا رقم نکال کر اُس کی طرف بڑھائی، ہشام نے وہ رقم پکڑ کر بل پر رکھتے ہوئے فولڈر بند کرتے ہوئے ویٹر کی طرف بڑھا دیا۔

اُس لڑکی نے اتنی دیر میں اپنا بیگ کھول لیا۔ وہ اُس میں سے کچھ تلاش کر رہی تھی، چند لمحے گود میں رکھے بیگ میں ہاتھ مارتے رہنے کے بعد اُس نے بالآخر ایک چھوٹی ڈائری نکالی اور پھر اُس کے بعد پین۔۔۔ میز پر ڈائری رکھ کر اُس نے اُس ڈائری میں اُس رقم کا اندراج کیا جو اُس نے کچھ دیر پہلے ہشام کو اُدھار دی تھی۔ پھر اُس نے پین اور ڈائری دونوں ٹیبل کے اوپر سے ہشام کی طرف بڑھائے۔ اُس نے کچھ حیران ہو کر دونوں چیزیں پکڑیں اور پھر اُس سے کہا "یہ کیا ہے؟" لیکن سوال کے ساتھ ہی اُسے پہلی نظر ڈائری پر ڈالتے ہی جواب مل گیا تھا۔۔۔ وہ اُس کے signatures اُس

http://Paksociety.com

رقم کے سامنے چاہتی تھی جہاں اُس نے اُدھار دی جانے والی رقم لکھی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لئے اُس کی شکل دیکھ کر رہ گیا، وہ اب اپنے گلاسز اُتار کر اُنہیں صاف کرتے ہوئے دوبارہ لگا رہی تھی۔ معمول کی طرح خود میں محو اور اُسے نظر انداز کئے یوں جیسے یہ سب ایک روٹین کی بات تھی۔

ہشام نے پین سنبھال کر دستخط کرنے سے پہلے ڈائری کے صفحے پلٹ کر بڑے تجسس سے لیکن محظوظ ہونے والے انداز میں دیکھا۔۔۔ وہاں چھوٹی بڑی رقموں کی ایک قطار تھی اور لینے والا صرف ایک ہی شخص تھا جس کا نام نہیں تھا صرف دستخط تھے، مختلف تاریخوں کے ساتھ لیکن کہیں بھی ادائیگی والے حصے میں کسی ایک رقم کی بھی ادائیگی نہیں کی گئی تھی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا تم اتنی calculated ہو۔۔۔ ہر چیز کا حساب رکھتی ہو؟" ڈائری پر دستخط کرتے ہوئے ہشام کہے بغیر نہیں رہ سکا۔

"اگر میں لکھوں گی نہیں تو بھول جاؤں گی اور معاملات میں تو clarity ضروری ہوتی ہے۔" اُس لڑکی نے جواباً اطمینان کے ساتھ کہا، وہ اب اُس سے ڈائری اور پین لے کر واپس اپنے بیگ میں رکھ چکی تھی۔

"ڈائری سے تو لگتا ہے تم واقعی بہت امیر ہو۔۔۔ اتنی دریادلی سے کس کو قرض دے رہی ہو؟" ٹیبل سے اُٹھتے ہوئے ہشام نے اُس کو کُریدا، وہ بات گول کر گئی۔ اُن کے درمیان اتنی بے تکلفی نہیں تھی کہ وہ اُسے زیادہ کُریدتا مگر اُس ڈائری میں کئے ہوئے اُس آدمی کے دستخط اُسے یاد رہ گئے تھے۔ وہ اُن دستخط سے اتنا تو اندازہ لگا ہی چکا تھا کہ وہ کسی مرد کے دستخط تھے۔

ایک ہفتے بعد اُس نے اُس لڑکی کو وہ قرض واپس کرتے ہوئے اُس کی ڈائری میں ادائیگی کے حصّے میں اپنے دستخط paid کی تحریر کے ساتھ کرتے ہوئے ایک بار پھر سے ڈائری اُلٹ پلٹ کر دیکھی۔۔۔ وہ ڈائری اُس سال کی تھی، اور سال کے شروع سے اُس مہینے تک کسی صفحے پر کوئی ادائیگی نہیں تھی، لیکن اُدھار لینے کی رفتار میں تسلسل تھا۔۔۔ چھوٹی بڑی رقمیں، لیکن لاتعداد بار۔

"اس سال تمہیں کوئی اُدھار واپس کرنے والا میں پہلا شخص ہوں۔" ہشام نے جیسے بڑے فخریہ انداز میں کہا، اُس نے مسکرا کر اُس سے ڈائری اور نوٹ دوبارہ واپس لئے، نوٹوں کو ہشام کے سامنے گنا، اپنے پرس سے چند چھوٹے نوٹ نکال کر ہشام کو واپس کیے کیوں کہ اُس نے راؤنڈ فگر میں رقم واپس کی تھی۔

"چھوڑو اسے رہنے دو۔" ہشام نے نوٹ واپس دینے کی کوشش کی۔ "اتنی بڑی رقم نہیں ہے یہ۔" اُس نے جیسے لاپرواہی سے کہا "کافی کا ایک کپ اور ایک ڈونٹ آسکتا ہے، ایک ویفل آئس کریم آسکتی ہے یا ایک برگر۔" اُس نے بڑے اطمینان سے جواباً کہا تھا، وہ ہنسا "تم واقعی ضرورت سے زیادہ حساب کتاب کرتی ہو" "میری ماں کہتی ہے روپیہ مشکل سے کمایا جاتا ہے اور اُس کی قدر کرتے ہوئے اُسے خرچ کرنا چاہیے" اُس نے جیسے ایک بار پھر ہشام کو لاجواب کیا تھا، ذرا سی شرمندگی دکھائے بغیر۔

"اس طرح تو تم واقعی بہت امیر ہو جاؤ گی۔" ہشام نے اُسے tease کیا "انشاءاللہ" اُس نے جواباً اتنے اطمینان سے کہا کہ ہشام کو ہنسی آگئی تھی۔ ہنسنے کے بعد ہشام کو احساس ہوا شاید یہ مناسب نہیں تھا کیوں کہ وہ اُسی طرح سنجیدہ تھی۔

"تمہیں بُرا تو نہیں لگا؟" اُس نے کچھ سنبھلتے ہوئے اُس سے پوچھا "کیا؟" "میرا ہنسنا۔۔۔" "نہیں۔۔۔ مجھے کیوں بُرا لگے گا۔۔۔ تم کیا مجھ پر ہنسے تھے؟" ہشام نے سر کھجایا، لڑکی سیدھی تھی، سوال ٹیڑھا تھا۔

"یہ جس کو اتنے اُدھار دیتی رہی ہو، یہ کون ہے؟" اُس نے بھی اُس سے ایک ٹیڑھا سوال کیا تھا۔

"ہے کوئی" وہ ایک بار پھر نام گول کر گئی "تم نام بتانا نہیں چاہتی؟" وہ کہے بغیر نہیں رہ سکا "نہیں" وہ چند لمحوں کے لئے چُپ رہا پھر اُس نے کہا "بہت زیادہ قرضہ نہیں ہو گیا اس کے سر؟" اس کی سوئی اب بھی وہیں اٹکی ہوئی تھی "میں اُسے انکار نہیں کر سکتی۔۔۔" ہشام عجیب طرح سے بے چین ہوا۔ "پیسے کے معاملے میں کسی پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔" شاید زندگی میں پہلی بار اُس نے کسی کو ایسا مشورہ دیا تھا۔

http://Paksociety.com

"پیسے کے بارے میں نہیں، میں ویسے ہی اعتبار کرتی ہوں اُس پر۔" اُس نے بڑے آرام سے کہا تھا۔ ہشام کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اُس سے کیا کہے؟ وہ اُن کی دوستی کا آغاز تھا اور وہ ایک دوسرے کی ذاتیات میں دخل اندازی نہیں کر سکتے تھے، اُن کے درمیان ایسی بے تکلفی نہیں تھی۔

اُس شخص کا تعارف بھی ہشام سے بہت جلد ہی ہو گیا تھا۔

******

تالیوں کی گونج نے حمین سکندر کی تقریر کے تسلسل کو ایک بار پھر توڑا تھا، روسٹرم کے پیچھے کھڑے چند لمحوں کے لئے رُک کر اُس نے تالیوں کے اس شور کے تھمنے کا انتظار کیا۔

وہ MIT کے graduating students کا اجتماع تھا، اور وہ وہاں commencement speaker کے طور پر بلایا گیا تھا۔ پچھلے سال وہ MIT کے graduating students میں شامل تھا۔ Saloon School Of Management سے ڈسٹنکشن کے ساتھ نکلنے والوں میں سے ایک اور اس سال وہ یہاں graduating students سے خطاب کر رہا تھا۔ MIT وہ واحد یونیورسٹی نہیں تھی جس نے اُسے اس سال اس اعزاز کے قابل سمجھا تھا۔ LeagueIvy کی چند اور نامور یونیورسٹیز نے بھی اُسے مدعو کیا تھا۔

24 سال کی عمر میں حمین سکندر پچھلے تین سالوں کے دوران دُنیا کے بہترین entrepreneurs میں سے ایک مانا جا رہا تھا، اُس ایک آئیڈیا کی وجہ سے جو پچھلے کچھ سالوں میں ایک بیج سے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا تھا۔

Trade an Idea کے نام سے اُس کی ڈیجیٹل فنانس کمپنی نے پچھلے تین سالوں میں گلوبل مارکیٹس میں دھوم مچا رکھی تھی۔ دُنیا کے 125 بہترین مالیاتی اور کاروباری ادارے اُس کمپنی کے باقاعدہ کلائنٹس تھے اور ڈیڑھ ہزار چھوٹے ادارے بالواسطہ اُس کی خدمات سے فائدہ اُٹھا رہے تھے۔

اور یہ سب تین سال کی مختصر مدّت میں ہوا تھا، جب وہ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کمپنی کی بنیاد رکھنے میں بھی مصروف تھا۔

Trade an Idea کا concept بے حد دل چسپ اور منفرد تھا اور ایک عام user کو وہ ابتدائی طور پر کسی digital game جیسا لگتا۔

اُس کی ابتداء بھی حمین سکندر نے بے حد چھوٹے پیمانے پر کی تھی۔ ایک ویب سائٹ پر اُس نے دنیا کی سو بہترین یونیورسٹیز کے سٹوڈنٹس کو ایک آن لائن چیلنج دیا تھا۔۔۔ ایسا کوئی آئیڈیا trade کرنے کے لئے جس کے لئے انہیں یا تو فنانس چاہیے تھا یا کسی کمپنی کی سپورٹ اور یا پھر وہ اپنا idea کسی خاص قیمت پر trade کرنے کے لئے تیّار تھے۔ لیکن trading اور traders دونوں بے حد مختلف تھے۔

اُس ویب سائٹ پر تین کوئز تھے۔۔۔ اے کیٹگری، بی اور سی کیٹگری۔۔۔ ہر کوئز میں بیس سوالات تھے اور ویب سائٹ پر رجسٹریشن کے لئے ایک پاس ورڈ ضروری تھا جو اس کوئز میں کامیاب ہونے کے بعد بھیجا جاتا ہے اور وہی نمبر اُس trader کی ID تھی۔

کیٹگری A کا کوئز مشکل ترین تھا اور ناک آؤٹ کے انداز میں timed تھا۔ کیٹگری B اور C اُس سے آسان تھے اور نہ timed تھے اور نہ ہی اُن میں ناک آؤٹ ہوتا تھا۔ یہ ان تین کیٹگریز کی درجہ بندی تھی جو وہاں آنے والے traders کی پرفارمنس پر automatically انہیں مختلف کیٹگریز میں رکھتی تھی۔ جو A کیٹگری میں آگے نہ جا پاتا وہ B کے کوئز میں حصہ لیتا اور جو B میں بھی آگے نہ جا پاتا تو وہ C میں اور جو C میں بھی آگے نہ جا پاتا تو اُسے Trade an Idea کی طرف سے outkick کر دیا جاتا تھا اس پیغام کے ساتھ کہ ابھی اُسے اور سیکھنے کی ضرورت ہے۔۔۔ ٹریڈنگ اُس کا کام نہیں۔

اے کیٹگری کے کوئز میں کامیاب ہو جانے والے غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں کے حامل افراد ایک پاس ورڈ حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے اور پھر اگلے مرحلے تک رسائی کرتے۔۔۔ ایک ایسے ٹریڈ سینٹر میں جہاں بہترین یونیورسٹیز کے بہترین دماغ اپنے اپنے ideas کو رجسٹر کروانے کے بعد آن لائن موجود ٹریڈرز کے ساتھ اپنے ideas کے حوالے سے بات چیت کرتے۔۔۔ وہ گروپ ڈسکشن بھی ہو سکتی تھی اور وہ ٹریڈرز کی آپس میں گفت و شنید بھی۔۔۔ پہلے مرحلے پر حمین صرف پانچ بڑی کمپنیز کو اس بات پر آمادہ کر پایا تھا کہ وہ اس ٹریڈ روم میں idea لے کر آنے والوں

کے ideas سُنیں اور اُس پر اُن سے بات چیت کریں، اگر اُنہیں کسی کا idea پسند آ جائے تو۔۔۔اس کے عوض اُنہیں TAI کو ایک مخصوص فیس ادا کرنی تھی، اگر وہاں کوئی idea انہیں پسند آ جاتا اور وہ اُسے خریدنے، اُس میں invest کرنے یا اُس میں پارٹنر شپ کرنے پر تیار ہوتے تو۔

کیٹگری بی میں پیش ہونے والے آئیڈیاز کی trading بھی اسی فارمولا کے تحت ہوتی تھی، لیکن وہاں ایک اضافی چیز یہ تھی کہ وہاں اپنے ideas کے ساتھ آنے والے مختلف نوجوان افراد interactions کے ذریعہ اپنی پسند کے کسی ایک جیسے idea پر collaboration کر سکتے تھے اور اگر ایسی کوئی collaboration کسی آئیڈیا کو عملی شکل تک ڈھال دیتا تو an IdeaTrade اُس collaboration کے لئے بھی انہیں ایک فیس چارج کرتا۔

کیٹگری C اس سے بھی آسان تھی، وہاں trade کے لئے آنے والے traders اپنے ideas کو barter بھی کر سکتے تھے یعنی کسی بھی trader کو اگر دوسرے کا idea پسند آتا اور وہ اُسے cash سے خریدنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو، تو پھر وہ اُس idea کے بدلے کچھ اور idea, skill, service یا پروجیکٹ اُسے پیش کر سکتا تھا۔

وہ بہت basic سا فارمولا تھا جو حمین نے صرف ذہانت کو encash کرنے کی بنیاد پر نکالا تھا اور اپلائی کیا تھا۔

پہلی بار اُس کی کلائنٹ بننے والی پانچ میں سے تین کمپنیز کو وہاں پہلے مہینے میں تین ایسے آئیڈیاز پسند آ گئے تھے جن کے traders کو انہوں نے hire کر لیا تھا۔

تین سال پہلے کلائنٹس اور ٹریڈرز کی ایک محدود تعداد سے شروع ہونے والی کمپنی اب ان's basic trading سے بہت آگے بڑھ چکی تھی، وہ اب خود Trade an Idea پر آنے والے ٹریڈرز سے ایسے ideas اور بزنس پروپوزلز لے لیتی جس میں انہیں potential نظر آتا اور وہ اپنے بڑے کلائنٹس کی ضروریات اور دلچسپی کے مطابق مختلف ideas اور پروجیکٹس انہیں شیئر کر دیتی۔

http://Paksociety.com

Trade an Idea نے پچھلے تین سال میں تین سو ایسی نئی کمپنیز کی بنیاد رکھی تھی جن کے ideas اُن کے پلیٹ فارم پر آنے کے بعد مختلف بین الاقوامی کمپنیز نے اُن ideas میں investment کی تھی۔ Trade an Idea سے ملنے والے ideas پر تکمیل پانے والے پروجیکٹس کی کامیابی کا 90٪ ratio تھا۔

دُنیا کے سو بہترین اداروں کے بہترین سٹوڈنٹس کو ایک پلیٹ فارم پر لانے والا یہ ادارہ اب دُنیا کی ہزاروں یونیورسٹیز کے لاکھوں سٹوڈنٹس کو اپنے اپنے ideas گھر بیٹھے آن لائن نامور اور کامیاب ترین کمپنیز کے نمائندوں کے سامنے پیش کرنے کا موقع دے رہا تھا۔ وہ پلیٹ فارم ایک نئے entreprenuer کے لئے ایک ڈریم پلیٹ فارم تھا۔

Trade an Idea اب ان ہی کیٹگریز کے ساتھ ایک اور ایسی کیٹگری کا اضافہ کر چکا تھا جہاں کوئی بھی شخص اپنی خسارے میں جانے والی کمپنی، بزنس، سیٹ اپ پروجیکٹ بیچ سکتا تھا اور آن لائن ہی اُس کی evaluation بھی کروا سکتا تھا۔

حمین سکندر کا نام دُنیا کی کسی بھی بڑی مالیاتی کمپنی کے لئے اب نیا نہیں تھا۔ اُس کی کمپنی trade کے نئے اصول لے آئی تھی اور اُن نئے اصولوں پر کام کر رہی تھی۔

"اکثر لوگوں کا خیال ہے میں رول ماڈل ہوں۔۔۔ ہو سکتا ہے میں بہت ساروں کے لئے ہوں۔۔۔ لیکن خود مجھے رول ماڈل کی تلاش کبھی نہیں رہی۔۔۔" تالیوں کا شور تھم جانے کے بعد اُس نے دوبارہ کہنا شروع کیا تھا "رول ماڈلز اور آئیڈیلز کتابوں میں زیادہ ملتے ہیں اور میرے ماں باپ کو ہمیشہ مجھ سے یہ شکایت رہی کہ میں کتابیں نہیں پڑھتا۔" وہاں بیٹھے ہوئے سٹوڈنٹس میں کھکھلاہٹیں اُبھری تھیں اور اگلی ایک نشست پر بیٹھی امامہ بھی ہنس پڑی تھی۔

"میں نے اپنی زندگی میں دل چسپی سے صرف ایک کتاب پڑھی تھی ور وہ میرے باپ کی آٹو بائیو گرافی تھی۔۔۔ وہ بھی بارہ سال کی عمر میں اپنی ماں کے لیپ ٹاپ میں۔" سامنے والی نشستوں پر بیٹھی امامہ کا رنگ فق ہو گیا، وہ ہنسنا یک دم بھول گئی تھی۔

"اور وہ واحد کتاب ہے جس کو میں نے بار بار پڑھا۔۔۔ وہ وہ واحد کتاب ہے جو میرے لیپ ٹاپ میں بھی ہے۔۔۔ میرے باپ کی آٹو بائیو گرافی کی بہترین بات یہ ہے کہ اُس میں کوئی ہیرو، کوئی آئیڈیل، کوئی رول ماڈل نہیں ہے، اور اُسے پڑھتے ہوئے مجھے ہمیشہ یہ احساس ہوا کہ میرا باپ کتنا lucky ہے کہ اُسے کسی سے inspire ہو کر اُس جیسا نہیں بننا پڑا، زندگی گزارنے کے اُن کے اپنے اصول اور فارمولاز اُن کے بچپن اور جوانی کو dictate کرتے رہے۔"

وہ کہتا جا رہا تھا اور وہاں بیٹھی امامہ عجیب سے شاک اور شرمندگی میں بیٹھی تھی، وہ کتاب جسے وہ آج بھی publish کروانا نہیں چاہتی تھی، صرف اس لئے کیوں کہ وہ اپنی اولاد کو اُن کے باپ کے حوالے سے کسی شرمندگی میں مبتلا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔۔۔ وہ کتاب اُس کی تیسری اولاد بارہ سال کی عمر میں صرف ایک بار نہیں، بار بار پڑھتا رہا تھا۔ اُس کی ایک کاپی اُس کے لیپ ٹاپ تک بھی چلی گئی تھی اور وہ بے خبر تھی۔

"میں نے اُس کتاب کو پڑھنے کے بعد یہ طے کیا تھا کہ مجھے inspire ہونے جیسا آسان کام نہیں کرنا۔۔۔ inspire کرنے جیسا مشکل کام کر کے دیکھنا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"میرا تعارف کرواتے وقت وہ ساری چیزیں گنوائی گئیں جن سے آپ سب کے سانس رُک جائیں، آنکھیں جھپکنا بند ہو جائیں، منہ کُھلے کے کُھلے رہ جائیں۔۔۔ میں نے کس عمر میں کیا کر دیا، اور کس عمر میں کیا۔۔۔ اس سال میری کمپنی کا ٹرن اوور کیا تھا۔۔۔ دُنیا کے دس بہترین entrepreneur میں میں کس نمبر پر ہوں۔۔۔ دُنیا کی کون کون سی کمپنیاں میری کلائنٹ ہیں۔۔۔ آپ میں سے اگر کوئی مجھ سے اور میری کامیابی سے متاثر نہیں ہوا یہ سب سُن کر بھی تو مجھے حیرت ہو گی۔۔۔" وہ رُکا، جیسے مجمع کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے اُس نے کہا۔

"لیکن اس تعارف میں بہت سے ایسے facts شامل ہیں جن کو سُن کر آپ کو مجھ میں اپنا آپ یا اپنے آپ میں میں دِکھنے لگوں گا۔۔۔ جیسے اس تعارف میں یہ حقیقت شامل نہیں ہے کہ میں آج تک کوشش کے باوجود کبھی اپنی بہن سے لیا گیا قرض واپس نہیں کر سکا۔" مجمع میں ہلکی تالیوں کے ساتھ قہقہے گونجے۔

حمین بے حد سنجیدہ تھا۔

"لیکن میں ایک دن وہ ساری رقم واپس کروں گا یہ وہ وعدہ ہے جو میں اُس سے 8 سال کی عمر سے کر رہا ہوں جب میں نے اُس سے پہلی بار قرض لیا تھا، اور میں کبھی وعدہ پورا نہیں کر سکا۔" وہ ہنستے ہوئے مجمع کے سامنے بے حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"میری بہن کے پاس ڈائریز کا ایک ڈھیر ہے جس میں اُس نے اُس سے اُدھار لیے جانے والے ایک ایک سینٹ کا بھی حساب رکھا ہوا ہے۔" تالیوں کے شور میں وہ رُکا" اور ہر اچھے بزنس مین کی طرح میں بھی اتنی بڑی رقم فوری طور پر کسی کو نہیں دے سکتا چاہے وہ قرضہ کی واپسی ہی کیوں نہ ہو۔۔۔" وہ بول رہا تھا۔

"اور میں سُست ہوں، ضرورتاً جھوٹ بولتا ہوں، چیزیں اکثر بھول جاتا ہوں، دوستوں کو مایوس کرتا ہوں۔" اُس کے ہر جملے پر وہ سٹوڈنٹس پر جوش انداز میں تالیاں بجا رہے تھے جیسے کسی rock star کو داد دے رہے ہوں۔

"اور ان تمام خامیوں کے ساتھ بھی مجھے اگر personmost inspirational کی فہرست میں رکھا جاتا ہے تو یہ خوف ناک بات ہے۔۔۔ خوف ناک اس لئے کیوں کہ ہم ایک ایسے زمانے میں داخل ہو چکے ہیں جہاں صرف کامیابی ہمیں قابلِ عزت اور قابلِ رشک بنا رہی ہے۔۔۔ ہماری انسانی خصوصیات اور خوبیاں نہیں۔"

تالیوں کے شور نے ایک بار پھر اُسے رُکنے پر مجبور کیا تھا۔ مجمع اب اُس کے سینس آف ہیومر کو نہیں، اُس کے اُن الفاظ کو سراہ رہا تھا۔

"MIT کے graduating students کو یہ بات کہتے ہوئے میں stupid لگوں گا کہ اُن چیزوں کو redefine کریں جو ہمارے لئے inspirational ہونی چاہیے۔۔۔ میں دس سال کا تھا جب میرے باپ نے مجھے زبردستی پاکستان بھیج دیا۔۔۔ مجھے اور میری فیملی کو۔۔۔ کیوں کہ میرے دادا کو الزائمر تھا، اور میرے باپ کا خیال تھا اُنہیں ہماری ضرورت تھی۔۔۔ میں نے اگلے چھے سال اپنے دادا کے ساتھ گُزارے تھے۔۔۔ دنیا کی کوئی یونیورسٹی مجھے وہ تربیت اور علم نہیں دے سکتی جو الزائمر کے ہاتھوں اپنی یادداشت کھوتے ہوئے اُس 75 سال کے بوڑھے نے

اپنے دس سال کے پوتے کو دی۔۔۔MIT بھی نہیں۔۔۔"سنّاٹے کو تالیوں نے توڑا تھا پھر اُس کے لئے کھڑے ہو جانے والے ہجوم نے اگلے کئی منٹ اپنے ہاتھ نہیں روکے۔

"میں ہمیشہ سوچتا تھا اس سب کا فائدہ کیا تھا۔۔۔مجھے امریکہ میں ہونا چاہیے تھا، دادا کے پاس نہیں۔۔۔لیکن پھر آہستہ آہستہ سب کچھ بدلنا شروع ہو گیا۔۔۔مجھے اُن کے ساتھ بیٹھنا، بات کرنا، سننا اور اُن کی مدد کرنا اچھا لگنے لگا۔۔۔دس سال کا بچہ کبھی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی انسان سامنے پڑی ہوئی چیز کا نام کیسے بھول سکتا ہے۔۔۔لیکن میں یہ سب دیکھ رہا تھا اور اس سب نے مجھے ایک چیز سکھائی۔۔۔There is no tomorrow۔۔۔جو بھی ہے آج ہے۔۔۔اور آج کا بہترین مصرف ہونا چاہیے۔۔۔"کل" چانس ہے، ہو سکتا ہے آپ کو نہ ملے۔"

اُس نے تقریر ختم کر دی تھی، وہ پورا مجمع ایک بار پھر اُس کے لئے کھڑا ہو چکا تھا۔۔۔تالیاں بجاتے ہوئے۔

امامہ بھی تالیاں بجا رہی تھی، ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اُسے دیکھتے ہوئے۔۔۔اُسے داد دیتے ہوئے۔۔۔اُس کی اولاد نے اُسے ایسے بہت سے فخریہ لمحے دیے تھے۔۔۔بہت سارے۔۔۔

آہستہ آہستہ اُس گھر کے سارے پرندے اُڑ گئے تھے۔۔۔جبریل، عنایہ، حمین رئیسہ۔۔۔مگر ہر ایک کی پرواز شاندار تھی، وہ جس آسمان پر بھی اُڑ رہے تھے۔۔۔فاتحانہ انداز میں اُڑ رہے تھے۔

"تم سمجھدار ہو گئے ہو یا ایکٹنگ کر رہے تھے؟" وہاں سے واپسی پر امامہ نے اُس سے گاڑی میں کہا تھا۔ وہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے ہنس پڑا "ایکٹنگ کر رہا تھا، یہ تو ظاہر ہے۔۔۔غلط سوال کر لیا آپ نے مجھ سے۔" اُس نے ماں کی بات کے جواب میں کہا تھا۔

"تم بے حد خراب ہو حمین!" امامہ کو یک دم جیسے یاد آیا "میں بھی سوچ رہا تھا آپ بابا کی آٹو بائیو گرافی بھول کیسے گئیں؟" حمین نے ماں کے اس جملے پر برق رفتاری سے کہا۔

http://Paksociety.com

"تمہیں اُسے نہیں پڑھنا چاہیے تھا۔" امامہ اب بھی سنجیدہ تھی۔ "آپ ہی کہتی ہیں کتابیں پڑھنا اچھی عادت ہے۔" اُس نے ماں سے کہا "میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ کتابیں چوری کر کے اور بغیر اجازت پڑھو۔" امامہ نے اُسی سنجیدگی سے اُسے ڈانٹا۔

"زندگی میں پہلی اور آخری بار کوئی کتاب چوری کر کے پڑھی ہے۔ آپ تسلّی رکھیں میں اتنا passionate نہیں ہوں ریڈنگ کے بارے میں۔" اُس نے بڑے اطمینان سے کہا۔ امامہ اگر اُسے شرمندہ دیکھنا چاہتی تھی تو یہ اُس کی غلط فہمی تھی۔ اُس کے پاس ہر logic اور ہر بہانہ تھا۔ سالار کا بیٹا تھا تو ان چیزوں کی افراط تھی اُس کے پاس۔

"ممّی آپ خوامخواہ ہی پریشان ہوتی رہتی ہیں، ہم بڑے ہو چکے ہیں، آپ ہر بات ہم سے راز نہیں رکھ سکتیں۔" اُس نے ماں کا کندھا تھپکتے ہوئے جیسے اُسے یاد دلایا۔

"باقی تینوں ہو چکے ہیں۔۔۔ تم نہیں ہوئے۔"

امامہ نے اُس کی بات کو ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے اُڑاتے ہوئے کہا۔

"That's not fair آپ نے میری speech نہیں سُنی کیا؟" اُس نے بے ساختہ اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ speech عنایہ نے لکھی ہو گی۔" امامہ نے کہا۔ ایک لمحہ کے لئے وہ لاجواب ہوا اور ونڈ سکرین سے باہر دیکھتے ہوئے بھی اُسے امامہ کی چبھتی نظروں کا احساس ہو رہا تھا۔

"She just edited it" اُس نے بالآخر اعتراف کیا "۔۔۔As always" امامہ نے جتانے والے انداز میں کہتے ہوئے گہرا سانس لیا۔

"You know it very well۔۔۔ میں ساری عمر speeches لکھتا رہا ہوں، کرتا رہا ہوں، یہ مشکل نہیں ہے میرے لئے، میں خود بھی کر سکتا ہوں۔" "کر سکتے ہو بالکل کر سکتے ہو، لیکن بس یہ نہ کہو کہ تمہاری speech سُن کر تمہارے سمجھدار ہونے کا یقین کر لوں۔"

امامہ مزید کچھ کہنے کے بجائے خفگی کے عالم میں خاموش ہو گئی اور ونڈ سکرین سے باہر دیکھنے لگی۔

"غصّے میں آپ بہت حسین لگتی ہیں۔" اُس نے یک دم بڑی سنجیدگی سے ماں سے کہا، امامہ نے گردن موڑ کر اُسے دیکھا "یہ بھی میں نے بابا کی کتاب میں کہیں پڑھا تھا۔۔۔چیپٹر نمبر فائیو میں۔۔۔؟ نہیں شاید فور میں۔" وہ اب اپنا بازو اُس کے کندھے کے گرد پھیلائے ماں کو منانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"واقعی لکھا ہے تمہارے بابا نے؟" امامہ نے جیسے بے یقینی سے اُسے پوچھا، اس کے باوجود کہ وہ یہ کتاب درجنوں بار پڑھ چکی تھی۔۔۔ایڈٹ، ری ایڈٹ کر چکی تھی اُس کے باوجود ایک لمحہ کے لئے اُسے واقعی شائبہ ہوا۔

"لکھا تو نہیں لیکن اگر آپ کہیں تو میں edit کر کے شامل کر دیتا ہوں۔۔۔ آپ کو ویسے بھی پتہ ہے میں غلط باتوں کا چیمپئن ہوں۔" اُس نے بے حد اطمینان سے ماں سے کہا۔ وہ ہنس پڑی، وہ واقعی یہ بھی کر سکتا تھا، اُس کے لئے اُسے شبہ نہیں تھا۔

******

"ہم کہیں مل سکتے ہیں؟" سکرین چمکی۔

"کہاں؟" تحریر اُبھری۔

"جہاں بھی تمہیں آسانی ہو، میں آجاؤں گا۔" جواب آیا۔

"اچھا سوچتی ہوں۔" لفظوں نے کہا۔

دوسرے حصہ کے لئے یہاں کلک کریں۔۔۔۔

http://Paksociety.com

قسط نمبر 21

حصہ دوم

"کب تک بتاؤ گی؟" اشتیاق سے پوچھا گیا۔

"کچھ دنوں تک" تامّل سے بتایا گیا۔

"میں انتظار کروں گا۔" وعدے کی طرح دہرایا گیا۔

"جانتی ہوں۔" یقین دہانی کی گئی۔

اور پھر آگے کچھ بھی نہیں تھا۔۔۔یوں جیسے کوئی پہاڑ آ گیا ہو یا پھر کھائی کہ نہ لفظ رہے ہوں، نہ وقت۔

عنایہ نے اپنے فون پر انگلیوں سے سکرول کرتے ہوئے اُن میسجز کے تھریڈ کو دیکھا، پڑھا، یوں جیسے پہلی بار اُس گفتگو کو پڑھ رہی ہو۔ یوں جیسے وہ گفتگو پہلی بار ہوئی ہو۔ اُس کی مخروطی خوب صورت دودھیا انگلیاں فون کی سکرین پر نہیں، جیسے اُن لفظوں پر پھیل رہی تھیں۔

وہ سوال جواب اتنے سالوں سے کرتے آ رہے تھے وہ۔۔۔اسی sequence میں۔۔۔اور ہر بار گفتگو وہاں ہی جا کر رُکتی تھی جہاں اس بار ختم ہوئی تھی۔۔۔اس سے آگے کے سوال جواب دونوں کے پاس نہیں تھے یا شاید ہمّت نہیں تھی کہ اس سے آگے وہ کچھ پوچھتے۔۔۔لیکن مہینے میں کم از کم ایک بار کسی بھی دوسرے موضوع پر بات کرتے کرتے

اُن کے درمیان اُس گفتگو کا تبادلہ ضرور ہوتا۔۔۔وہ سوال جواب کسی پرانی یاد یا میوزک کی طرح بیک گراؤنڈ میں چلتی۔ جیسے ابھی ہوا تھا۔۔۔وہ کسی اور موضوع پر بات کر رہے تھے، اور بات وہاں تک آ گئی تھی۔۔۔اور جہاں آ گئی تھی، وہاں رک گئی تھی۔۔۔اب وہاں سے موضوع بدلنے کے لئے انہیں پھر کچھ وقت چاہیے تھا۔

وہ ایرک سے محبت نہیں کرتی تھی، اور اُسے شبہ تھا شاید وہ بھی نہ کرتا ہو۔۔۔بہت سے احساس وہم اور خوش فہمی بھی تو ہو سکتے تھے، مگر یہ بھی درست تھا کہ اتنے سالوں میں ایرک کے علاوہ اُس کے سرکل میں کوئی مرد دوست نہیں تھا۔۔۔امریکہ، پاکستان دونوں جگہ۔۔۔سکول، کالج۔۔۔ہر جگہ عنایہ کسی لڑکے کو اپنا دوست نہیں بنا سکی تھی، نہ وہ اتنی بے تکلفی کا مظاہرہ کر سکتی تھی اور نہ اُسے ایسی کسی دوستی کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔

ایرک بھی ایسا ہی تھا، اور یہ زیادہ حیرانی کی بات تھی۔ کیوں کہ وہ امریکہ میں رہتا تھا جہاں طرزِ زندگی بہت مختلف تھا۔ اس کے باوجود عنایہ کی طرح وہ بھی ریزروڈ تھا۔ اور جب وہ عنایہ سے کہتا تھا کہ اُس کی کوئی گرل فرینڈ نہیں تو عنایہ کو یقین ہوتا تھا کہ ایسا ہی ہے۔ اور اگر وہ یہ کہتا تھا کہ اگر اُس کی پچھلے کئی سالوں سے کسی لڑکی کے ساتھ دوستی ہے بھی تو وہ عنایہ تھی تو اُسے اس پر بھی یقین تھا۔

اور اس دوستی کے باوجود دونوں کے درمیان بے تکلفی نہیں تھی، شاید اُس کی وجہ فاصلہ تھا یا کلچر یا عنایہ کا وہ مزاج جس سے ایرک بخوبی واقف تھا۔ اتنے سالوں کے بعد تقریباً ہر روز ای میل، میسجز یا فون کے ذریعے ایک دوسرے سے ہر وقت رابطے میں رہنے کے باوجود اُن کے درمیان ہونے والی گفتگو مخصوص موضوعات کے گرد گھومتی تھی۔۔۔کبھی بھی وہ صرف "میں اور تم" پر نہیں گئی تھی اور یہ دونوں کی طرف سے کی جانے والی شعوری کوششوں کا نتیجہ تھا۔

عنایہ ایک مہینہ پہلے ریذیڈنسی کے لئے امریکہ آئی تھی اور ایرک کو چاہنے کے باوجود اُس نے یہ نہیں بتایا تھا، بتانے کا فائدہ نہیں نقصان تھا۔ پتہ نہیں کیوں اُسے یہ خدشہ تھا کہ اُس کے امریکہ آ جانے پر وہ اُس سے ملنے کی بھرپور کوشش کرے گا اور یہ اُس کے لئے اس لئے بہت آسان ہوتا کیوں کہ وہ حمین اور جبریل کے ساتھ مسلسل رابطے میں تھا۔ عنایہ اُن دونوں سے یہ کہہ چکی تھی کہ وہ اُس کے امریکہ آ جانے کے بارے میں ایرک سے کچھ نہیں کہیں، اُن دونوں

نے اُس سے کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔ ایرک جیسے اُن کی فیملی کے لئے ایک ایسی کھلی حقیقت تھا جس سے سب آنکھیں چرانا چاہتے تھے لیکن چرا نہیں پاتے۔

ایرک بہت عرصہ پہلے اُس کے اور امامہ کے درمیان ڈسکس ہو چکا تھا۔۔۔ عنایہ جان چکی تھی وہاں اُس کے لئے کوئی مستقبل نہیں تھا۔۔۔ اس شادی میں کیا ایشوز تھے اور کیا خدشات، کیا اندیشے تھے اور کیا مسائل۔۔۔ عنایہ آنکھیں بند کر کے رٹے رٹائے انداز میں گنوا سکتی تھی۔ اُس نے یہ سب کچھ امامہ سے اتنی بار سُنا تھا اور اُس نے امامہ کی خواہش کا احترام کیا تھا۔

اُس نے آہستہ آہستہ ایرک سے دور جانے کی کوشش کی تھی اس کے باوجود کہ امامہ نے اُسے کبھی ایرک سے قطع تعلق کرنے کے لئے نہیں کہا تھا لیکن عنایہ کا خیال تھا اُسے یہ "عادت" بدل دینی چاہیے، جو دونوں کے لئے ایک سٹیج پر آکر آزار بن سکتی تھی۔

وہ دونوں زیادہ تر ای میلز اور ٹیکسٹ میسجز کے ذریعہ رابطے میں تھے۔ عنایہ نے کوشش کی تھی یہ رابطہ کم ہونے چاہیے، تعلیمی مصروفیات، پروفیشنل کمٹمنٹس، اُس کے پاس بہترین بہانوں کے طور پر موجود تھے۔ لیکن اس کے باوجود ایرک سے اُس کا رابطہ ٹوٹ نہیں سکا اور یہ کمال ایرک کا تھا، وہ جُڑا رہا تھا، اُس کی بے اعتنائی، بے رُخی، سرد مہری کے باوجود۔۔۔ یہاں تک کہ عنایہ کو شدید قسم کی ندامت ہونے لگی تھی۔۔۔ پتہ نہیں اُس شخص میں اتنی برداشت اور تحمل کیسے تھی کہ وہ اپنے آپ کو نظر انداز کئے جانا اور کم اہمیت پانے پر بھی کوئی اعتراض، کوئی احتجاج نہیں کرتا تھا۔ اُس سے یہ نہیں پوچھتا تھا کہ اُسے بیٹھے بٹھائے کاموں کا ڈھیر اب ہی کیوں یاد آنے لگا تھا اور نہ ہی یہ کہ وہ خود بھی ڈاکٹر تھا، اُس سے زیادہ مصروف تھا تو کم از کم وہ پروفیشنل مصروفیات کا بہانہ اُس کے سامنے پیش نہ کرے۔ وہ دنوں، ہفتوں کے لئے اُس کی کسی ای میل کسی میسج کا جواب دیے بغیر غائب رہتی اور وہ پھر بھی اُس کو ٹیکسٹ میسجز کے ذریعہ اپنا حال احوال، اپنی مصروفیات کے بارے میں بتاتا رہتا اور پھر وہ کئی دنوں بعد اُس کے بھیجے ہوئے کسی نہ کسی ٹیکسٹ، کسی نہ کسی ای میل کا جواب دینے پر مجبور ہو جاتی اور وہ اپنی غیر حاضری کا جو بھی بہانہ بناتی، وہ بغیر بحث کے قبول کر لیتا، چاہے وہ کتنا ہی ناقابلِ یقین کیوں نہ ہوتا، اور اُس کی یہ acceptance جیسے اُس کے احساسِ جُرم کو اور بڑھا رہی تھی۔ وہ

بچپن میں ایسا نہیں تھا جیسا بڑا ہو کر ہو گیا تھا۔ اتنے سالوں میں عنایہ میں اتنی تبدیلیاں نہیں آئی تھیں جتنی ایرک میں آئی تھیں، اور اُس کی بہت سی دوسری وجوہات کے علاوہ ایک بنیادی وجہ اُس کا قبولِ اسلام بھی تھا۔

وہ 18 سال کی عمر میں ایرک سے عبداللہ ہو گیا تھا لیکن وہ آج بھی اپنے سوشل سرکل میں ایرک کہلاتا تھا یا پھر ایرک عبداللہ۔۔۔ اُن لوگوں کے امریکہ سے آجانے کے بعد بھی ایرک اُن سے رابطے میں رہا تھا، وہ اُسے بھی ای میل کرتا تھا اور امامہ کو بھی، اور اُس کی ہر ای میل امامہ کو جیسے ایک reminder کی طرح لگتی تھی، حالانکہ اُس کی ای میلز میں رسمی گفتگو کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا۔

وہ بھی میڈیسن میں ہی ریذیڈنسی کر رہا تھا۔۔۔ عنایہ کی طرح۔۔۔ اُن کے پروفیشن نے دو مختلف ملکوں میں رہتے ہوئے بھی اُن دونوں کو بڑے عجیب انداز میں ایک دوسرے سے باندھے رکھا تھا۔۔۔ وہ کنگ ایڈورڈ سے پڑھی تھی وہ ایریزونا سے۔۔۔ اُسے آئی سرجن بننا تھا ایرک کو ہارٹ۔۔۔ مگر اُن کے مشترکہ پروفیشن نے جیسے اُن کے لئے گفتگو کے بہت سارے موضوعات دے دیے تھے۔

قبولِ اسلام کے بعد یونیورسٹی میں گریجویشن کے دوران وہ چند سال سمرز میں پاکستان آتا رہا تھا لیکن ایک بار میڈیکل میں جانے کے بعد وہ آنا جانا ختم ہو گیا تھا۔ امامہ اس بات پر خوش ہوئی تھی، وہ کبھی بھی اُسے پاکستان آنے سے منع نہیں کر سکتی تھی کیوں کہ سالار سمیت فیملی کے کسی بھی شخص کو ایرک کے پاکستان آنے پر اعتراض نہیں تھا اور وہ اُسے منع کر کے اُس کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی لیکن اس طرح اُس کا ہر سال اُن کے پاس آنا امامہ کے خدشات بڑھاتا رہا تھا اور جس سال پہلی بار اُس نے پاکستان نہ آنے کے بارے میں اُنہیں اطلاع دی تھی، امامہ نے جیسے سکون کا سانس لیا تھا اُسے یقین تھا وہ اب اپنی زندگی کی نئی مصروفیات میں سب کچھ بھول جانے والا تھا۔

کچھ ایسا ہی عنایہ نے بھی سوچا تھا۔ اُسے بھی لگا تھا ایرک بدل جائے گا، اور وہ اس کے لئے ذہنی طور پر تیّار بھی۔ میڈیسن کی تعلیم مشکل تھی پھر اب اُس کی زندگی میں اور لوگ آ رہے تھے۔ وہ اُن کے خاندان اور اُسے اگر بھول بھی جاتا تو اُس کے لئے نارمل ہوتا۔۔۔ ہلکی کسک اور گلہ رکھنے کے باوجود۔۔۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ اُس نے پاکستان آنا جانا چھوڑا تھا، اُن سے رابطہ ختم نہیں کیا تھا۔

http://Paksociety.com

اوراس تعلق اور رابطے کے باوجود اُن دونوں کے درمیان اعتراف یا اظہار کا کوئی کمزور لمحہ نہیں آیا تھا۔ اُسے بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ اُس کے لئے اسپیشل تھی لیکن یہ جملہ اُس نے کبھی اُس کی زبان سے نہیں سُنا تھا، اور یہ شاید بہت اچھا ہی تھا۔ تعلق ختم کرتے ہوئے گلے اور شکایتیں کچھ کم رہتیں۔۔۔ تکلیف بھی۔۔۔ یہ عنایہ سکندر کا خیال تھا۔

اُس کے لئے اب رشتے دیکھے جا رہے تھے۔ Matchmaking کی کوششیں ہو رہی تھیں۔ اُسے اندازہ تھا اُس کی ریذیڈنسی کے دوران ہی اُس کی منگنی یا شاید شادی ہو جائے گی، اور وہ اس کے لئے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرتے ہوئے اُن فیملیز اور لڑکوں سے بھی مل رہی تھی جن سے اُس کا رشتہ طے پانے کا امکان تھا اور اس سب کچھ کے درمیان ایرک عبداللہ وہیں کا وہیں کھڑا تھا۔ نہ وہ زندگی سے جاتا تھا، نہ دل سے نہ دماغ سے۔

اُس دن بھی اُن دونوں کے درمیان ایک Chatting App پر معمول کے میسجز کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ وہ اُسے اپنے ہاسپٹل کا کوئی مسئلہ بتا رہا تھا اور اُس نے جواباً بڑی روانی سے اُسے اپنے ہاسپٹل کا نام بتاتے ہوئے وہاں کے کسی مسئلے کا ذکر کیا اور send کا بٹن دباتے ہوئے بے اختیار اپنی غلطی پر پچھتائی۔ اُس کا text اب فون کی سکرین پر نمودار ہو چکا تھا اور اُسے یقین تھا ایرک عبداللہ اتنا ڈفر نہیں تھا کہ وہ اُس جملے کو نظر انداز کر کے گزر جاتا۔ اُس کے جملے کے بعد بہت دیر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ یوں جیسے وہاں سب کچھ ساکت ہو گیا تھا۔ پھر بالآخر وہ text آیا جس کی اُسے توقع تھی۔

"تم امریکہ میں ہو؟" اُس کا دل چاہا وہ لکھ دے سمارٹ فون نے ہاسپٹل کا نام غلطی سے لکھ دیا تھا۔ یا کوئی اور جھوٹ یا بہانہ۔۔۔ وہ تو مان لیتا تھا۔۔۔ سوال جواب اور بحث کب کرتا تھا لیکن وہ جھوٹ نہیں بول سکتی تھی بس دل چاہا تھا اُسے ہاں کہہ دے اور اُس نے یہی کیا تھا۔

اُس کے yes نے ایرک عبداللہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ عنایہ کا خیال تھا۔ فون ہاتھ میں پکڑے اُس کی سکرین پر نظریں جمائے وہ اُس yes کے بعد کسی ردِ عمل کا انتظار کرتی رہی۔۔۔ خوشی، حیرت، بے یقینی، غصّہ۔۔۔ کسی بھی ردِ عمل کا۔۔۔ وہ آن لائن تھا اور وہاں سکوت تھا۔۔۔ ایسا سکتہ اور سکوت کہ ایک لمحہ کے لئے عنایہ کو ڈر لگا۔ اُس نے Hello لکھ کر اُسے جیسے اس سکتے سے جھنجھوڑنے کی کوشش کی تھی۔

"تم نے مجھے بتایا نہیں؟" دوسری طرف سے اُس کی تحریر اُبھری تھی۔ اس بار خاموشی عنایہ کی طرف چھائی تھی۔ وہ 101 بہانے بنا سکتی تھی لیکن ایک بھی بہانہ بنانا نہیں چاہتی تھی۔ اُن دونوں کے درمیان شاید اب وہ لمحہ آ گیا تھا جب اُسے صاف گوئی کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔

"تم مجھے ملنے کے لئے کہتے اور میں ملنا نہیں چاہتی اس لئے۔" دوسری طرف بہت لمبی خاموشی چھائی تھی اس بار، اُتنی ہی لمبی جتنا عنایہ توقع کر رہی تھی۔

"Alright" پھر سکرین چمکی اور بُجھ گئی۔۔۔ وہ ایسا ہی کرتا تھا۔۔۔ بحث کرتا ہی نہیں تھا، غصہ دکھاتا ہی نہیں تھا، argument اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ اسی طرح ہتھیار ڈالنے والے انداز میں بات کیا کرتا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے عنایہ کو غصّہ آیا اور وہ خوامخواہ احساسِ ندامت لے کے بیٹھی تھی۔۔۔ اچھا ہے صاف صاف کہہ دیا اور نہ ملنے سے اُسے فرق کیا پڑنا تھا، وہ ویسے بھی دو مختلف سٹیٹس میں تھے۔۔۔ ملنے کے لئے بھی انہیں چھٹیوں کا انتظار کرنا پڑتا۔ وہ سوچ رہی تھی ساتھ ہی اپنے آپ کو توجیہات بھی دے رہی تھی۔

"میں پاکستان جا رہا ہوں۔" کچھ دیر بعد اُبھرنے والے اگلے ٹیکسٹ نے اُسے چونکایا۔

"کب؟" اُس نے بے اختیار پوچھا۔

"17 کو" جواب آیا۔

"کیوں؟" اُس نے اب وہ پوچھا جو پوچھنا چاہتی تھی۔

جواب نہیں آیا اور کئی دنوں تک نہیں آیا۔

******

ہشام نے اُسے دیکھتے ہوئے چائے کا مگ خالی کیا۔۔۔ وہ اُس سے کچھ فاصلے پر اشاروں کی زبان میں اپنے سامنے بیٹھی عورتوں اور بچوں سے مخاطب انہیں صحت وصفائی کے حوالے سے سمجھاتے ہوئے اپنے بیگ سے اس سے متعلقہ چیزیں

http://Paksociety.com

نکال نکال کر دے رہی تھی۔۔۔ صابن۔۔۔ ٹوتھ پیسٹ۔۔۔ ٹوتھ برش، ٹوتھ پک، روئی، نیل کٹر، کاٹن buds، شیمپو، فرسٹ ایڈ کٹ اور اُس میں موجود سامان۔۔۔ وہ سب عام استعمال کی چیزیں تھیں جنہیں کسی ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ملک میں بھی بیٹھ کر کسی کو اُن کا استعمال سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔۔۔ لیکن وہ داداب تھا، کینیا کے بارڈر کے قریب UNHCR کے افریقہ میں برے ترین کیمپوں میں سے ایک۔۔۔ جہاں افریقہ میں قحط اور خانہ جنگی سے متاثرہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی۔

اور اُن دونوں کو وہاں آئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔۔۔ داداب میں یہ اُن کا پہلا وزٹ تھا، لیکن وہ پچھلے چار سالوں میں UNHCR کے بہت سارے کیمپس میں جا چکے تھے۔ افریقہ، ایشیا، لاطینی امریکہ۔۔۔ یہ اُن کی تفریح بھی تھی، passion بھی اور کام بھی۔

لکڑی کی ایک خالی پیٹی کو اُلٹا کر بیٹھے ویسی ہی ایک دوسری پیٹی کو میز بنائے اور اُس پر چائے کے مگ رکھے، اپنی چائے میں بسکٹ ڈبو ڈبو کر کھاتے ہوئے وہ شدید تھکن کے عالم میں بھی اُسے دیکھتا رہا۔۔۔ وہ مختلف جگہوں پر نئے آنے والے پناہ گزینوں کے ساتھ اُس دن صبح سے ہونے والا اُن کا 28 واں کیمپ تھا۔۔۔ وہ گروپ کی شکل میں نکلے تھے اور اب دو دو کی ٹولیوں میں لگے نئے خیموں میں جا جا کر اندراج کرتے ہوئے صحت وصفائی کے حوالے سے سامان تقسیم کرتے پھر رہے تھے اور اب شام ہونے والی تھی۔۔۔ ہشام نے اپنا کام ختم کر لیا تھا۔۔۔ گرم پانی کے فلاسک اور پشت پر لدے بیگ سے مگ اور چائے کا سامان نکال کر وہ اپنی ساتھی کے واپس آنے سے پہلے ہی چائے بنا کر اُس کا انتظار کر رہا تھا اور وہ ابھی بھی وہیں تھی۔۔۔ اُسی طرح اپنے کام میں محو۔۔۔ اُس نے اپنا مگ دوبارہ چائے سے بھرا۔

وہ اُس کے ساتھ دنیا کے بہت سارے ملکوں میں جا چکا تھا اور لوگ کوئی بھی ہوں، زبان کوئی بھی اُس نے اپنی ساتھی کو کبھی کسی دقّت کا شکار نہیں دیکھا تھا۔۔۔ وہ اشاروں کی زبان کی ماہر تھی لیکن ہشام جانتا تھا وہ اشاروں کے بغیر بھی کسی گونگے سے اُس کے دل کا حال اگلوا لیتی۔۔۔ ایک عجیب گرم جوشی تھی اُس میں جو کسی کا بھی دل موم کر کے رکھ دیتی اور وہ اب یہی کر رہی تھی۔۔۔ اُن گندے، کمزور، بیمار، قحط زدہ، تباہ حال لوگوں کے بیچ بیٹھی وہ پروفیشنل مہارت سے اپنا کام کرتے ہوئے اشاروں کی زبان اور ٹوٹی ہوئی مقامی زبان میں اُن سے گپ شپ کرنے کی کوشش کر رہی

تھی۔۔۔بچوں کے ساتھ ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ، عورتوں کے ساتھ مسکراہٹوں اور معانقوں کا تبادلہ۔۔۔وہ اپنا کام تقریباً ختم کرنے کے قریب تھی۔۔۔اُس کے پاس موجود سامان ختم ہو چکا تھا اور جس خالی بیگ میں وہ تھا، وہ بیگ اُس نے ایک پانچ سالہ بچے کو اوڑھانے والے انداز میں دیا تھا جو بار بار اُس بیگ کو لینے کے لئے ہاتھ پھیلا رہا تھا اور پھر ہشام نے ایک چھوٹی بچی کو اُس کے بالوں میں لگی ہوئی ایک خوبصورت ہیئر پن کو چھوتے دیکھا۔ وہ زمین پر پڑے ایک لکڑی کے کریٹ پر بیٹھی تھی اور وہ بچی اُس کے عقب میں جا کر اُس کے تقریباً جوڑے والے انداز میں لپیٹے ہوئے بالوں کو چھیڑ رہی تھی اور پھر اُس نے اُس ہیئر پن کو اتارنے کی کوشش کی، ہشام نے اُسے پلٹ کر اُس بچی کو اُٹھا کر اپنی گود میں لیتے دیکھا اور پھر اپنے بالوں میں لگی ہوئی ہیئر پن اُتار کر اُس نے اُس بچی کے گھنگھریالے بالوں میں لگا دی اور اُسے گود سے اُتارتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور پہلی بار وہ بالآخر ہشام کی طرف متوجہ ہوئی جو تب تک چائے کا دوسرا مگ بھی ختم کرنے کے قریب تھا۔ انہیں وہاں سے ابھی کافی دور چل کر جانا تھا، جہاں سے اُنہیں UNHCR کی گاڑی مل جاتی جو اُنہیں اُس جگہ لے جاتی جہاں پر اُن تمام ورکرز کی رہائش تھی۔

ہشام نے اُسے بالآخر اپنی طرف آتے دیکھا، وہ دور سے مسکرائی۔ ہشام نے بھی اُس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔

"تم ہر کام بہت جلدی کر لیتے ہو۔" اُس کے قریب آ کر لکڑی کے ایک اُلٹائے ہوئے کریٹ پر بیٹھتے ہوئے اُس نے جیسے ہشام کو سراہا۔ وہ واقعی اپنے ذمہ لگائے ہوئے تمام کام بہت تیزی سے کرنے کا عادی تھا۔

"عقل مند ہوں، اس لئے۔" اُس نے جواباً مسکراتے ہوئے چائے کا وہ مگ اس کی طرف بڑھایا جس میں پڑی چائے کے ٹھنڈا ہونے پر اُس نے اسے پھینک کر اُس کے لئے ابھی دوبارہ چائے بنائی تھی۔

"مجھ سے بھی زیادہ" اُس کی ساتھی نے چائے کا مگ ہشام سے لیتے ہوئے بے حد جتانے والے انداز میں کہا۔

"تم سے تو واقعی زیادہ!" اُس نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔ شام اب آہستہ آہستہ گہری ہو رہی تھی، پناہ گزینوں کا وہ ہجوم اب آہستہ آہستہ وہاں سے دور اپنے خیموں کی طرف جا رہا تھا۔ وہ جانتے تھے آج انہیں جو کچھ ملنا تھا، مل چکا تھا۔

ایک کچّی پگڈنڈی نما سڑک کے کنارے سبزے میں لکڑی کے کریٹ اُلٹائے چائے کے سپ لیتے ہوئے وہ دونوں اپنی ٹانگیں سیدھی کیے جیسے اپنی تھکن اُتار رہے تھے۔ "تمہارے لئے کچھ ہے" ہشام نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر مگ رکھتے ہوئے جیب سے کچھ نکال کر اُس کی طرف بڑھایا۔

******

رئیسہ نے اُس انگوٹھی کو بے حد تعجب کے عالم میں دیکھا تھا جو ہشام نے اُس کے سامنے بڑھائی تھی۔ ایک بے حد خوب صورت emarald green باکس میں دھری آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی ایک ڈائمنڈ رنگ۔

اُس نے سر اُٹھا کر ہشام کو دیکھا، وہ کچھ دیر کے لئے جیسے چائے پینا بھول گئی جو وہ مگ میں ہاتھوں میں لئے بیٹھی تھی۔

"یہ کہاں سے ملی؟" داداب کے اس ویرانے میں اُس انگوٹھی کو دیکھ کر جو خیال کسی کو آنا چاہیے تھا، وہی رئیسہ کو بھی آیا تھا۔

"کیا مطلب کہاں سے ملی؟" ہشام بُری طرح بدکا تھا۔ "میں نے خریدی ہے۔" اُس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"کہاں سے؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی "نیروبی سے" ہشام نے جواباً کہا "پھر مجھے کیوں دے رہے ہو؟"

اُس نے چائے پینا دوبارہ شروع کرتے ہوئے کہا۔ سوال کرنے کے باوجود وہ نروس ہوئی تھی، اُسے یک دم اندازہ ہوا تھا کہ یہ کیا ہو رہا تھا۔

"تمہیں پرپوز کر رہا ہوں۔" ہشام نے ایک بار پھر اُس انگوٹھی کو اُس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ رئیسہ نے ایک نظر اُسے دیکھا، ایک نظر اُس انگوٹھی کو اور پھر گردن گھما کر اُس پورے علاقے کو۔۔۔ وہ خاردار جھاڑیوں اور پناہ گزینوں کے بیچوں بیچ اسے ایک ڈائمنڈ رنگ پیش کرتے ہوئے پرپوز کر رہا تھا۔۔۔ وہ کسی بھی لڑکی کے لئے ایک رومانٹک لمحہ

http://Paksociety.com

تھا، اور اُس کے لئے بھی ہوتا اگر اُسے یک دم ہنسی آنا شروع نہ ہو گئی ہوتی۔۔۔چائے کا مگ لکڑی کے ایک کریٹ پر رکھتے ہوئے وہ بے اختیار قہقہہ لگاتے ہوئے ہنسی سے بے حال ہونے لگی تھی۔

ہشام بُری طرح نادم ہوا اور اُس نے ڈبیہ بند کر دی۔

"یہ اس طرح ہنسنے کا کیا مطلب ہوا؟" اُس نے رئیسہ سے پوچھا، وہ اب اپنی ہنسی پر قابو پا چکی تھی۔

"ہم یہاں ریلیف کے کام کے لئے آئے ہیں۔" اُس نے ہشام کو یاد دہانی کرانے والے انداز میں کہا "تم کچھ اور سوچ بھی کیسے سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں سوچ سکتا؟" ہشام نے بحث کرنے والے انداز میں کہا "ہمیشہ سوچتا رہا ہوں اور بس میرا دل چاہا میں تمہیں پروپوز کر دوں تو کر دیا۔"

رئیسہ نے چائے کا مگ دوبارہ منہ سے لگا لیا، وہ اب سنجیدہ تھی۔ ہشام ڈبیہ ہاتھ میں پکڑے چُپ چاپ اُسے چائے پیتے دیکھتا رہا پھر اُس نے کہا۔

"تم کچھ نہیں کہو گی؟" "میں اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی to bevery honest ۔۔" اُس نے بالآخر چائے کا مگ رکھ دیا۔ وہ اب اپنے بیگ پیک کو کھول کر ایک ریڈیو نکال رہی تھی، وہ جیسے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش تھی۔

"کیوں۔۔۔؟؟ تم پسند نہیں کرتی مجھے؟" ہشام بھی یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"کرتی ہوں۔۔۔ تمہیں کوئی بھی ناپسند نہیں کر سکتا، لیکن شادی کا فیصلہ بہت بڑا فیصلہ ہوتا ہے۔۔۔ میں خود نہیں لے سکتی۔۔۔ تمہیں میری فیملی کی رضامندی مجھے پروپوز کرنے سے پہلے لینی ہو گی۔" ریڈیو فریکوئینسی سیٹ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اُس نے ہشام کی طرف دیکھے بغیر اُس سے بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔

"Fair enough۔۔۔"ہشام نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا"میں اُن سے بات کرلوں گا، یہ تو بڑی بات نہیں۔"

رئیسہ اُسے کہہ نہیں سکی کہ اُس کی قومیت اُس کی فیملی کے لئے قابلِ اعتراض ہو سکتی تھی، وہ ایرک اور عنایہ کے معاملے پر امامہ کی رائے سے بہت اچھی طرح واقف تھی۔۔۔وہ اپنے تمام بچوں کی شادیاں پاکستانیوں سے کرنا چاہتی تھی۔

"تم یہ رنگ اپنے پاس رکھ لو، میں تمہاری فیملی سے بات کرلوں تب تم پہن سکتی ہو۔"ہشام نے وہ ڈبیہ ایک بار پھر اُس کی طرف بڑھایا۔رئیسہ نے اپنا ہاتھ اُس کی طرف نہیں بڑھایا تھا، وہ اپنے گھٹنے پر رکھے ریڈیو کے ساتھ مصروف تھی یا کم از کم یہی ظاہر کر رہی تھی۔

"اس کا فائدہ نہیں۔۔۔اگر میں نے رنگ لے لی اور میری فیملی نے انکار کر دیا تو؟"اُس نے ہلکی آواز میں خبریں سُنتے ہوئے کہا۔ہشام نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"تمہاری فیملی انکار کیسے کر سکتی ہے؟"وہ پہلی بار کچھ بے چین ہوا تھا"ہمیں ہر possibility سامنے رکھنی چاہیے۔"

رئیسہ نے مدہم آواز میں جیسے اُسے سمجھایا۔

"وہ انکار کر دیں گے تو؟"ہشام نے پوچھا"تو بس"رئیسہ نے کہا"یعنی بس ختم؟"ہشام کو جیسے یقین نہیں آیا۔

"تم یہ کیسے ہونے دو گی۔۔۔میرے لئے تمہاری کوئی فیلنگز نہیں ہیں؟"ہشام کو جیسے یہ بات ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔

"فیلنگز ہیں تمہارے لئے لیکن وہ میری اپنی فیملی کے لئے فیلنگز سے بہت کم ہیں۔۔۔کم از کم ابھی تم اپنی فیملی کی مرضی کے خلاف کچھ کر سکتے ہو؟"رئیسہ نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں میں کر سکتا ہوں کم از کم تم سے شادی تو"اُس نے جواباً کہا تھا۔رئیسہ کو جیسے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ریڈیو کو چھیڑتے ہوئے اُس نے مدہم آواز میں کہا۔

"ویسے یہ جو رنگ میں ڈائمنڈ ہے، یہ نقلی ہے۔" ہشام بُری طرح چونکا، وہ بات کو کہاں سے کہاں لے گئی تھی۔ اُس نے بے اختیار ہاتھ میں پکڑی ڈبیہ کھولی اور اُس میں سے انگوٹھی نکال کر اُسے آنکھوں کے پاس لے جاتے ہوئے بولا "تمہیں کیسے پتہ؟"

"کیوں کہ میں نے اسے اچھی طرح دیکھا تھا۔ ممیری ممّی کے پاس بہت سارے ڈائمنڈز ہیں، میں ڈائمنڈ پہچان سکتی ہوں۔" رئیسہ نے اُسی انداز میں کہا۔

وہ ویک اینڈ پر نیروبی گئے تھے اور جیولری کی shops میں پھرتے ہوئے ایک شاپ پر رئیسہ کو یہ انگوٹھی اچھی لگی تھی۔۔۔ جو ہشام نے اُسے بتائے بغیر خرید لی تھی، وہ اُسے اسی انگوٹھی کے ساتھ پروپوز کرنا چاہتا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا۔۔۔ تم نے مجھے تب کیوں نہیں بتایا؟ میں نے تو ڈائمنڈ کی رنگ کے طور پر بہت مہنگا خریدا ہے اُسے۔" ہشام حیران سے زیادہ کچھ شرمندہ ہوا۔

"مجھے یہ تھوڑی پتہ تھا کہ تم اسے خریدنا چاہتے ہو۔۔۔ مجھے تو بس اچھی لگی تھی اور جیولر کہہ رہا تھا ڈائمنڈ ہے تو میں اُسے شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی یہ بتا کر کہ یہ ڈائمنڈ نہیں ہے۔" رئیسہ نے اُس سے کہا۔

ہشام نے کچھ مایوسی کے عالم میں اُس رنگ کو ڈبیہ میں رکھ کر ڈبیہ بند کر دی۔ رئیسہ نے اُس کے تاثرات دیکھے اور ہاتھ بڑھا کر تسلّی دینے والے انداز میں اُس ڈبیہ کو پکڑ لیا۔

"تمہارا بڑا نقصان ہو گیا۔" اُس نے جیسے ہشام کو تسلّی دی "نہیں اتنا نقصان نہیں ہوا، جتنی شرمندگی ہوئی ہے کہ میں ایک نقلی ڈائمنڈ کے ساتھ تمہیں پروپوز کر رہا تھا۔"

رئیسہ نے اُسے تسلّی دینے والے انداز میں کہا۔ "پریشان مت ہو، میں اسے رکھ لیتی ہوں۔۔۔ اگر میری فیملی مان گئی تو میں یہی رنگ پہن لوں گی۔" وہ بے اختیار ہنس پڑا۔۔۔ وہ رنگ جو وہ محبت میں لینے پر تیّار نہیں تھی، ہمدردی میں لے رہی تھی۔۔۔ وہ واقعی ریلیف ور کر تھی۔

"ہنس کیوں رہے ہو؟" وہ حیران ہوئی "خوش ہوں اس لئے" ہشام نے جواباً کہا۔

"مجھے سٹونز میں ڈائمنڈ کی پہچان ہو نہ ہو، انسانوں میں ہے۔۔۔ اور میں نے ایک نقلی ڈائمنڈ ایک اصلی ڈائمنڈ کو دیا تھا، کم از کم مجھے اس بارے میں کوئی شبہ نہیں۔" ہشام نے اتنے سال کے ساتھ میں اُسے پہلی بار بلش کرتے دیکھا۔

وہاں اب خاموشی تھی۔۔۔ ہوا کی سرسراہٹ۔۔۔ اُترتی شام اور اُس میں ریڈیو پر چلنے والا نیوز بلیٹن جس میں بحرین میں ایک طیّارے کے کریش ہونے کی خبر دی جا رہی تھی، جس پر وہ دونوں اکٹھے متوجہ ہوئے تھے۔

******

آج بہت لمبے عرصے کے بعد امامہ اُس کمرے میں اُس باکس کو کھولے بیٹھی تھی۔ ایک ایک کر کے وہ سارے سکیچ بکس اور سکریپ بکس نکالے جس پر کئی دہائیوں پہلے اُس نے اپنے گھر کی بنیادیں پنسل اور رنگوں سے رکھنی شروع کی تھیں۔

وہ اس کمرے کی صفائی کروانے کے لئے ملازم کے ساتھ وہاں آئی تھی اور صفائی کرواتے ہوئے اس باکس کو دیکھتے ہی اُسے بہت کچھ یاد آ گیا تھا، اور اب صفائی مکمل کروانے کے بعد وہ اس باکس کو اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔۔۔ بڑی فرصت سے پرانی یادوں کو کھنگالنے اور جینے کے لئے۔

وہ ایلس اِن ونڈر لینڈ کی طرح انہیں کھولے کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھی۔ اتنی دہائیاں گزرنے کے بعد وہ سکریپ بکس خستہ حال ہو رہی تھیں، سکیچز میں بھرے ہوئے رنگ اُڑنے لگے تھے، لکھے ہوئے لفظ مٹنے لگے تھے، کھنچی ہوئی لکیریں دُھندلانے لگی تھیں۔۔۔ لیکن ان دُھندلاتی لکیروں، مٹتے لفظوں، پھیکے پڑتے رنگوں اور بُھربُھراتے کاغذوں میں بھی اُسے ہر یاد ویسی ہی رنگین، تازہ، خوشگوار، زندہ محسوس ہو رہی تھی جیسے وہ سب آج ہی کا قصّہ تھا۔۔۔ کل ہی کی بات تھی، پرسوں ہونے والا واقعہ تھا۔۔۔

وہ مدہم مسکراہٹ کے ساتھ ہر صفحہ بڑی احتیاط سے پلٹ رہی تھی یوں جیسے ذرا بے احتیاطی ہوئی تو رنگ جھڑ جائیں گے، لکیریں رگڑ کھا کر چھو منتر کی طرح غائب ہو جائیں گی، سب کچھ غائب ہو جائے گا، اپنے ساتھ اُس کی زندگی کے بہترین دنوں کو لے کر بھی۔

ہر صفحے پر اُس کے ہاتھ کے بنے سکیچز تھے۔۔۔ کون سا کمرہ کیسے بننا تھا۔۔۔ کس دیوار پر کیا لگنا تھا۔۔۔ کہاں کیسا رنگ ہونا تھا۔۔۔ اُس کے ہاتھ کی تحریر میں وہ چیزیں لکھی ہوئی تھیں۔۔۔ ہر صفحہ، ہر لکیر، ہر تصویر یک دم جیسے بولنے لگی تھی۔ اُس کے اور سالار کے درمیان ہونے والی باتیں۔۔۔ وہ ہر چیز بنا کر سالار کو دکھاتی تھی، اُس سے رائے لیتی تھی، جب بھی جہاں بھی کسی کے گھر اُسے کوئی چیز پسند آ جاتی وہ چیز اُس کی سکریپ بُک میں موجود اُس کے گھر کے کسی کمرے کا حصّہ بن جاتی تھی۔ اُن صفحات پر بنی تصویروں کو دیکھتے ہوئے اُس کے کانوں میں اپنی اور سالار کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔۔۔

پتہ نہیں زندگی اتنی تیزی سے کیوں گزرتی ہے یا پھر بالکل رُک کیوں جاتی ہے۔ جب وہ سالار کے ساتھ تھی تو سب کچھ ہوا کی رفتار سے گزر جاتا تھا۔۔۔ اب وہ اُس کے ساتھ نہیں تھی تو سب کچھ ایسے رُک گیا تھا جیسے زندگی کو زنگ ہی لگ گیا ہو۔

اُس نے ایک صفحہ اور پلٹا۔۔۔ پھر ایک اور۔۔۔ پھر اور۔۔۔ اس سکیچ بُک میں موجود گھر بناتے ہوئے اُسے کبھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ زندگی میں صرف یہی ایک گھر بنا سکتی تھی وہ بھی کاغذوں پر۔۔۔ حقیقت میں نہیں، وہ محنت اور وقت جو اُس نے اُس گھر پر لگایا تھا شاید اُتنی ہی مدّت تھی جتنی کوئی اپنے گھر پر لگاتا تھا لیکن اُس کا گھر اس مدّت کے بعد بھی کاغذوں پر ہی رہا تھا، کبھی زمین پر حقیقت بن کر کھڑا نہیں ہو سکا تھا۔

اُس کی زندگی کی بہت ساری خواہشات میں صرف وہ ایک ایسی تھی جو حسرت بنی تھی، اور اب تو ایک مدّت ہو گئی تھی اُس نے "گھر" کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔۔۔ آج بس اُس باکس کو دیکھنے پر اُسے یاد آیا تھا اُس نے کبھی ایک گھر بنانے کی کتنی خواہش کی تھی۔۔۔ بچت بھی کی تھی۔۔۔ کوشش بھی۔۔۔ لیکن بعض چیزیں مقدر میں نہیں ہوتیں۔

اُن صفحوں پر پھیلی خوابوں کے گھر کی وہ تصویریں اُس کی زندگی کے سب سے اچھے دنوں کی تصویریں تھیں۔اُن کے درودیوار سے اُس کی خوشیاں اب بھی چھلکتی تھیں۔۔۔اتنے سالوں کے بعد بھی۔۔۔

وہ گھر حقیقت میں نہ ڈھلنے کے باوجود اُسے عجیب خوشی دے رہا تھا۔۔۔عجیب طرح سے گدگدا رہا تھا۔۔۔جیسے کوئی ننھا بچّہ اپنا دل پسند کھلونا پا لینے پر کھکھلاتا ہو۔

ایک گہرا سانس لے کر اُس نے اُن سکیچ بکس کو بند کیا لیکن پھر باکس میں رکھنے کے بجائے وہیں سامنے پڑی میز پر رکھ دیا۔

اُسے امریکہ سے آنے والے اُس مہمان کے استقبال کی تیّاری کرنی تھی جو تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ رہا تھا۔

******

وہ جبریل سکندر کی ڈاکٹر ویزل برنارڈ کے ساتھ آخری سرجری تھی۔۔۔وہ اُس کے بعد ریٹائر ہو رہے تھے اور اُن کے اسسٹنٹ کے طور پر وہ آخری سرجری اُس کی زندگی کی سب سے اہم سرجری تھی۔

وہ پانچ سالہ ایک بچّہ تھا جو سیڑھیوں سے گر کر سر پر لگنے والی ایک چوٹ کے بعد کوما میں گیا تھا اور اب اُسے سرجری کی ایمرجنسی میں ضرورت پڑی تھی۔اُس کے برین میں انٹرنل بلیڈنگ ہو رہی تھی۔

جبریل ڈاکٹر ویزل کے ساتھ پچھلے دو سالوں سے کام کر رہا تھا۔وہ امریکہ کی تاریخ کے کامیاب ترین سرجنز میں سے ایک تھے اور جبریل اُن کا پسندیدہ ترین اسسٹنٹ تھا۔

ڈاکٹرز کے سرکل میں ڈاکٹر ویزل برنارڈ کو دیوتا کی حیثیت حاصل تھی،وہ یہودی النسل تھے اور اُن کے ساتھ کام کرنا خود ایک اعزاز سمجھا جاتا تھا۔وہ مزاجاً بے حد اکھڑ اور تیکھے مزاج کے تھے اور بے حد کم کسی کے کام سے خوش ہونے والوں میں سے تھے،خاص طور پر کسی مسلمان کے اور وہ بھی ایشیائی نسل کے۔

اس کے باوجود جبریل سکندر اُن کا چہیتا تھا۔۔۔ کہیں نہ کہیں وہ اُس میں اپنا آپ دیکھتے تھے، اُس کے composure اُس کی skill کو۔۔۔ اور یہ بات اُس ہاسپٹل میں سب کو پتہ تھی کہ ڈاکٹر ویزل کو ٹھنڈا رکھنے کا کام جبریل سکندر سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔

اور جتنے مہربان وہ جبریل کے ساتھ تھے، اتنا ہی متاثر وہ ڈاکٹر ویزل سے تھا۔ نیورو سرجن کے طور پر اُن کا ڈنکا اگر دُنیا میں بجتا تھا تو وہ اس قابل تھے۔۔۔ اپنی بد مزاجی کے باوجود۔

انہوں نے ساری عمر شادی نہیں کی تھی۔۔۔ دو کتّے اور دو بلیلاں پالی تھیں اور ساری زندگی ان ہی کے ساتھ گزاری تھی اور انہوں نے جبریل کو بھی اپنے ساتھ پہلی ملاقات میں پہلا مشورہ یہی دیا تھا۔

"تم اس فیلڈ میں بہت آگے جا سکتے ہو، اس لئے شادی مت کرنا۔۔۔ اپنے پروفیشن اور کیریئر کو فوکس کرنا۔۔۔ دُنیا کا ہر شخص اپنی زندگی اچھی کرنے کے لئے شادی کر سکتا ہے، لیکن دُنیا کا ہر شخص دوسروں کی زندگی بچانے کے لئے اپنی زندگی قربان نہیں کر سکتا۔" انہوں نے جبریل کو نصیحت کی تھی جو اُس نے مسکرا کر سُنی تھی۔

اور اب اتنا عرصہ اُن کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ ڈاکٹر ویزل کے مزاج کو بخوبی سمجھ اور پڑھ سکتا تھا۔

"تمہارا ہاتھ مسیحا کا ہاتھ ہے، کیوں کہ تم اچھے ماں باپ کا خون رگوں میں لیے ہوئے ہو اور قرآن کے حافظ ہو۔۔۔ اپنی اس مسیحائی کی حفاظت کرنا۔" انہوں نے چند دن پہلے اُس کے اپارٹمنٹ پر اُس کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے کہا تھا جو اُس کی طرف سے اُن کے لئے ایک الوداعی ڈنر تھا۔ وہ اُن کی بات پر حیران رہ گیا تھا۔ وہ ایک بے حد متعصب اور کٹر قسم کے یہودی تھے، اُن کی زبان سے قرآن حفظ کرنے کو مسیحائی سے جوڑنا جبریل کے لئے ناقابلِ یقین تھا اور اُس کے چہرے اور آنکھوں کی حیرانی نے جیسے اُس کے تعجب کو اُن تک بھی پہنچایا تھا۔

"بُرے مسلمان بُرے لگتے ہیں، اچھے نہیں۔" وہ کہہ کر اپنی ہی بات پر خود ہنسے تھے۔

"آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے میں نے۔" جبریل بے بھی اُنہیں خراجِ تحسین پیش کرنا چاہا تھا۔ انہوں نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"میں نہ بھی ہوتا تو بھی تم سیکھتے۔۔۔مجھے خوشی ہے کہ مجھے بھی اپنی زندگی کے آخری سالوں میں تمہارے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔" انہوں نے جواباً اُس سے کہا۔

ڈاکٹر ویزل کی شخصیت کے اس پہلو کی جھلک صرف جبریل نے دیکھی تھی اور کوئی کبھی مر کر بھی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کسی کے لئے اتنے مہربان ہو سکتے تھے۔ جبریل کو اُن کے ساتھ کام کرنا کبھی مشکل نہیں لگا تھا لیکن اب اُن کے جانے کے بعد وہ خود ایک سرجن کے طور پر اپنے کیریئر کا آغاز کرنے جا رہا تھا۔

آپریشن ٹیبل پر لیٹے ہوئے اُس بچے کے دماغ کا آپریشن کرتے ہوئے وہ ڈاکٹر ویزل کے بالکل برابر میں کھڑا تھا، وہ ہمیشہ کی طرح گپ شپ کر رہے تھے، اپنے طویل میڈیکل کیریئر کے حوالے سے جب اُن کی گفتگو میں پہلی بار جبریل نے کچھ اُداسی محسوس کی تھی۔ پھر اُس نے ڈاکٹر ویزل کو اوزار سے اُس بچے کے دماغ میں بلیڈنگ روکنے کے لئے ایک اور جگہ پر کٹ لگاتے دیکھا۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصّے میں جبریل کو کچھ کھٹکا تھا، وہ اُن کا ہاتھ چلتے دیکھ رہا تھا لیکن اُسے لگا تھا کچھ غلطی ہوئی تھی۔۔۔اُس کا احساس ٹھیک تھا، وہ بچہ ہوش میں نہیں آ سکا تھا۔ ڈاکٹر ویزل کے پروفیشنل کیریئر کی آخری سرجری ناکام رہی تھی۔۔۔عائشہ عابدین نے اپنی اکلوتی اولاد کھو دی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ)

http://Paksociety.com

قسط نمبر 22

تبارک الذی حصہ اول

وہ خانہ کعبہ کے سامنے کھڑا تھا۔۔۔ اور وہ وہاں مقامِ ملتزم کے سامنے کھڑا تھا۔۔۔ کتنی بار وہ یہاں آیا تھا اور کتنی بار یہاں آ کر کھڑا ہوا تھا، اُسے اب گنتی بھی بھول چکی تھی، لیکن ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ وہاں اسی حالت میں کھڑا تھا۔۔۔ ہیبت کے عالم میں۔۔۔ عجز کی کیفیت میں۔۔۔ دنیا کی کوئی جگہ سالار سکندر کو مٹی نہیں کرتی تھی، صرف وہ جگہ تھی جو اُسے خاک بنا دیتی تھی اور وہ "خاک" بننے ہی وہاں آتا تھا۔۔۔ ہر بار اپنی اوقات جاننے اور اُس کی یاددہانی کے لئے۔۔۔ ہر بار جب دُنیا اُسے کسی چوٹی پر بٹھاتی تھی تو وہ آج بھی آیا تھا۔۔۔ بلکہ بلایا گیا تھا۔ اپنے فخر اور تکبر کو دفنانے یہاں آتا تھا۔۔۔

خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا جا رہا تھا۔۔۔ سیڑھی لگی ہوئی تھی۔۔۔ اور وہ دُنیا کے مختلف خطّوں سے آئے اُن دس مسلمانوں میں شامل تھا جنہیں خانہ کعبہ کے اندر ہونے والی صفائی کی سعادت کے لئے چنا گیا تھا۔ اور یہ اعزاز اُس کے حصے کس نیکی کے عوض آیا تھا، یہ اُسے ابھی تک سمجھ نہیں آ رہا تھا۔۔۔ کرم تو وہ تھا ہی اور کرم تو اُس پر اللہ کا ہمیشہ ہی رہا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنے نامہ اعمال میں ایسی کوئی نیکی کھوج رہا تھا جو ایسے کرم کا باعث بنتی۔

وہ شاہی خاندان کا مہمان بن کر پچھلے سالوں میں کئی بار عمرے کی سعادت حاصل کر چکا تھا۔ امامہ کے ساتھ بھی، اُس کے بغیر بھی۔۔۔ مگر یہ دعوت نامہ جو وہاں سے اس بار آیا تھا، وہ سالار سکندر کو کسی اور ہی کیفیت میں لے گیا تھا۔۔۔ ایسا انعام اور اتنا انعام۔۔۔ ایسا کرم اور اتنا کرم۔۔۔ وہ خطاکار اور گناہ گار تھا۔۔۔ ایسا کیا کر بیٹھا تھا کہ اب یوں درگزر کر رہا تھا، یوں عطا کر رہا تھا، وہ بھی جو وہم و گمان میں بھی نہ آنے والی باتیں ہوں۔

وہ اُس دعوت نامے کو آنکھوں سے لگا کر رو تا رہا تھا۔۔۔ کیا صاف کرنا تھا اُس نے وہاں جا کر۔۔۔ سب صفائی تو اُس کے اپنے اندر ہونے والی تھی اور ہوتی آ رہی تھی۔

امامہ بھی وہاں تھی، ایک دوسری قطار میں اُن ہی افراد کی فیملیز کے ساتھ۔۔۔وہ اُسے بھی ساتھ لایا تھا اور وہ اُسے رشک سے دیکھ رہی تھی، اس کے علاوہ وہ اور کیا کر سکتی تھی۔۔۔اُس کے گھر امریکہ سے آنے والا وہ "مہمان" اس بار اُس کے لئے ایسی سعادت لانے والا تھا، اس کا اندازہ تو اُسے تھا ہی نہیں۔ وہ اُسے ہمیشہ سرپرائز کرتا تھا، بغیر بتائے آجاتا تھا جب بھی کبھی اُسے وقت ملتا تھا۔۔۔دو دن کے لئے، تین دن کے لئے۔۔۔اس بار بڑے عرصے کے بعد اُس نے امامہ کو اپنی آمد کے بارے میں پہلے سے بتایا تھا۔

"تمہارے لئے ایک سرپرائز ہے۔" اُس نے امامہ سے کہا تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح سرپرائز بوجھ گئی تھی، ایسا کبھی نہیں ہوا تھا اُس نے وہ پہیلیاں نہ بوجھی ہوں جو سالار اُس کے سامنے رکھتا تھا۔

"تم مجھے عمرے پر لے کر جاؤ گے۔" اُس نے کئی اندازے لگانے کے بعد اُس سے فون پر کہا اور اُس کے ہنسنے پر امامہ نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

"مجھے پتہ تھا۔"

لیکن جس سعادت کے لئے اللہ نے اُسے اس بار بلایا تھا اُسے اس کا اندازہ نہیں تھا، وہ اُسے نہیں بوجھ سکی تھی اور جب اُس صبح اُس نے بالآخر امامہ کو وہ دعوت نامہ دکھایا تھا تو وہ گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ اور پھر وہی ہوا تھا جو ہوتا آیا تھا، جو ہونا تھا۔۔۔وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔

"تم اس لئے رو رہی ہو کہ یہ دعوت نامہ تمہارے لئے نہیں ہے؟" سالار نے اُس کے بہتے آنسو روکنے کے لئے جیسے اُسے چھیڑا۔

"نہیں میں صرف اس لئے رو رہی ہوں کہ۔۔۔" وہ آلہ ؤں کے درمیان رُکی۔ "اللہ تم سے اتنا پیار کیوں کرتا ہے۔" وہ پھر رونے لگی۔ "تمہارا اعزاز ہے لیکن مجھے لگ رہا ہے میرے سر پر تاج بن کر سجا ہے۔" وہ آنسوؤں کے بیچ کہتی جا رہی تھی۔ "حسد نہیں ہے۔۔۔رشک ہے۔۔۔"

"کوئی اور زندگی کا ساتھی ہوتا تو یہ سب نہ جو بھی اعزاز ہیں، تمہاری وجہ سے ہی آئے ہیں امامہ۔۔۔پہلے بھی۔۔۔اب بھی۔۔۔" ہوتا۔" اُس نے جواباً اُس سے کہا تھا۔

اور اب خانہ کعبہ کے کُھلتے ہوئے دروازے سے وہ سالار سکندر کو سیڑھیاں چڑھ کر اندر جاتا دیکھ رہی تھی۔ وہ اندر جانے والا آخری شخص تھا۔

معجزہ ہی تھا وہ زندہ تھا۔۔۔ صحت مند، تندرست، چاق و چوبند۔۔۔ اس عمر میں بھی 20-22 گھنٹے کام کرتے رہنے کی سکت کے ساتھ۔

ڈاکٹرز کہتے تھے اُس کی زندگی معجزہ تھی اور اُس کی ایسی صحت مند زندگی معجزے سے آگے کی کوئی شے۔۔۔ 42 سال کی عمر میں اُسے ٹیومر ہوا تھا اور وہ اب 60 سال کا تھا۔۔۔ جو ٹیومر اُسے ہوا تھا، وہ سات سے دس سال کے اندر انسان کو ختم کر دیتا تھا اور وہ 18 سال سے زندہ تھا۔۔۔ ہر چھے مہینے کے بعد اپنی رپورٹس کو دیکھتا تھا۔۔۔ اُس کے دماغ میں موجود ٹیومر آج بھی تھا۔۔۔ اُسی جگہ پر۔۔۔ اُسی سائز میں۔۔۔ اور بس۔۔۔

وہ رب جو سمندروں کو باندھ دیتا تھا، اور اُنہیں اُن کی حدوں سے باہر نکلنے نہیں دیتا تھا۔۔۔ اُس کے سامنے وہ چند ملی میٹر کا ایک ناسور کیا شے تھا؟

موت اور اُس کے بیچ زندگی نہیں دعائیں آ کر کھڑی ہوئی تھیں اور سالار سکندر کو خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوتے ہوئے بھی یہ یاد تھا کہ وہ کس کی دعاؤں کی وجہ سے وہاں آج بھی اپنے قدموں پر کھڑا تھا۔ وہ امامہ ہاشم کے علاوہ کسی اور کی دعائیں ہو ہی نہیں سکتی تھیں جو اُسے زندگی بن کر یوں لگی تھیں۔

"کتنے سال سے میں نے اپنے لئے کوئی دعا ہی نہیں کی۔۔۔ جو بھی دعا کی ہے، تمہارے اور بچوں سے شروع ہو کر تم اور بچوں پر ہی ختم ہو جاتی ہے جب تک مجھے اپنا آپ یاد آتا ہے۔۔۔ مجھے دعا ہی بھول جاتی ہے۔" وہ اکثر اُس سے ہنستے ہوئے کہا کرتی تھی۔ یوں جیسے ایک ماں اور بیوی کی پوری کہانی لکھ دیتی تھی۔

دیکھو اللہ تمہیں کہاں کہاں بلاتے ہیں، کہاں کہاں دعا کرنے کا موقع دے رہے ہیں۔ یہاں آتے ہوئے امامہ نے بڑی حسرت سے اُس سے کہا تھا اور اب خانہ کعبہ کے اندر کھڑے وہ اُس سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ اُسے جہاں بھی بلاتا تھا، وہ اُسے ہر اُس جگہ پر امامہ کو بھی یاد رکھواتا تھا۔ جیسے اُسے جتاتا اور بتاتا ہو کہ اُسے کیسی درجے والی عورت کا ساتھ عطا کیا گیا تھا۔

اُس گھر کے اندر کی دُنیا اور دُنیا تھی۔ اس کائنات کا حصہ ہوتے ہوئے بھی وہاں کروڑوں نہیں آئے تھے، لاکھوں نہیں، ہزاروں نہیں۔۔۔ بس ہر صدی میں چند سو۔۔۔ اور ایک وہ صدی تھی جب وہاں پیغمبرؐ آئے تھے۔۔۔ وہاں کی ہر جگہ، ہر دیوار پر اُن کا

لمس تھا اور پھر سینکڑوں سال بعد وہاں سالار سکندر بھی کھڑا تھا۔۔۔ ہیبت نہ آتی تو کیسے نہ آتی۔۔۔ صاف کرنا تھا تو کیا چیز صاف کرنی تھی۔۔۔ اپنے وجود کے علاوہ تو اُسے وہاں صاف کرنے والی کوئی شے نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔

"تم اندر جا کے کیا مانگو گے سالار؟" اُس نے خانہ کعبہ آتے ہوئے اُس سے پوچھا تھا۔

تم بتاؤ کیا مانگوں؟" سالار نے جواباً اُس سے پوچھا۔"

"پتہ نہیں کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا۔" وہ رونے لگی۔۔۔ اور اُس دعوت نامہ کو دیکھنے کے بعد بار بار یہی ہو رہا تھا وہ بار بار بات کرتے ہوئے رونے لگتی تھی۔۔۔ جیسے دل بھر آتا ہو۔۔۔ جیسے خوشی کی حد ختم ہو جاتی ہو۔

تم سارے ستونوں کو ہاتھ لگا کر آنا۔۔۔ ساری دیواروں کو۔۔۔ اُن کو نبی پاک نے بھی چھوا ہو گا، کسی نہ کسی کو۔۔۔ پھر تم باہر آؤ گے تو سب سے پہلے میں تمہارا ہاتھ چھوؤں گی۔" وہ بچوں جیسے انداز میں کہہ رہی تھی۔

اور خانہ کعبہ کے اندر اُس کی دیواروں، ستونوں کو آبِ زم زم سے دھوتے، چھوتے سالار سکندر کو سمجھ آ گیا تھا امامہ ہاشم کیوں یاد آتی ہے ایسی ہر جگہ پر۔۔۔ کیوں دعا والی ہر جگہ پر سب سے پہلے اُس کے لئے دعا کرنا یاد آتا تھا۔۔۔ کیوں کہ وہ عشقِ رسول ﷺ تھا۔۔۔ خالص تھا۔۔۔ غرض کے بغیر تھا۔۔۔ قربانیوں سے گندھا تھا، یہ کیسے ممکن تھا وہاں سے جواب نہ ملتا۔۔۔ بُھلا دیا جاتا۔

"تُم نے اندر جا کر میرے لئے کیا مانگا؟" اُس کے باہر آنے پر امامہ نے عجیب بے تابی سے اُس سے پوچھا تھا۔ وہ ابھی اُس کے پاس آیا ہی تھا، اُس کے دونوں ہاتھ پکڑے وہ اب اُس سے پوچھ رہی تھی۔

"مانگا ہے کچھ۔۔۔ بتا نہیں سکتا۔" سالار نے جواباً عجیب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "جب پوری ہو جائے گی دُعا پھر بتاؤں گا۔" اُس نے اُسے جیسے اگلا سوال کرنے سے روک دیا تھا۔

"میں جانتی ہوں کیا مانگا ہے۔۔۔ لیکن میں بھی بتاؤں گی نہیں، دیکھتی ہوں قبول ہوتی ہے تمہاری دعا یا نہیں۔" امامہ نے جواباً عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس سے کہا تھا۔

******

http://Paksociety.com

اسفند کی موت کی اطلاع عائشہ عابدین کو دینا جبریل سکندر کی ذمہ داری نہیں تھی، اس کے باوجود وہ اُس بچّے کی ماں سے ملنے آیا تھا اور عائشہ عابدین کو دیکھتے ہی کچھ دیر کے لئے وہ گنگ ہو گیا تھا۔ کچھ ایسا ہی حال عائشہ عابدین کا تھا، وہ دونوں کئی سالوں بعد ایک دوسرے سے ملے تھے اور ملتے ہی ایک دوسرے کو پہچان گئے تھے، اور اب یہ شناخت جیسے اُن کے حلق کا کانٹا بن گئی تھی۔

عائشہ کو یقین نہیں آیا تھا کہ امریکہ کے بہترین ہاسپٹل میں بہترین ڈاکٹر کے ہاتھوں بھی اُس کے بچّے کی جان جا سکتی تھی۔ وہ خود ڈاکٹر تھی، اسفند کی چوٹ کی نوعیت اور سنگینی کو جانتی تھی لیکن وہ خود جس ہاسپٹل میں ریذیڈنسی کر رہی تھی، وہاں اُس نے اس سے بھی زیادہ سنگین اور پیچیدہ نوعیت کے آپریشنز کے بعد بھی مریضوں کو صحت یاب ہوتے دیکھا تھا۔ لیکن اُس کا اپنا بیٹا اُن خوش قسمت لوگوں میں شامل کیوں نہیں ہو سکا تھا۔ اس سوال کا جو جواب عائشہ عابدین نے ڈھونڈا تھا، وہ ایک لمبے عرصہ تک اُسے بھوت بن کر چمٹا رہا تھا۔

اُس نے غم کو پہلی بار مجسّم حالت میں دیکھا تھا، اُس شخص کی شکل میں جو اُسے اُس کی متاعِ حیات چھن جانے کی خبر سنانے آیا تھا۔۔۔ اور وہ وہ شخص تھا جس کے سراب نے عائشہ عابدین کو اُس عذاب میں ڈالا تھا جس میں وہ تھی۔

ایک ڈاکٹر کی طرح جبریل اُسے بتاتا گیا تھا کہ آپریشن کیوں ناکام ہوا، اسفند کی حالت کیوں بگڑی۔۔۔ کیوں نہیں سنبھل سکی۔۔۔ اور ان تمام تفصیلات کو دہراتے ہوئے جبریل سکندر کے لاشعور میں ڈاکٹر ویزل کے ہاتھ کی وہ حرکت بار بار آتی رہی، بار بار سر سے جھٹکنے کے باوجود۔۔۔ وہ ایک بت کی طرح گم صم اُس کی بات سنتی رہی یوں جیسے وہ اُس کے بیٹے کے بارے میں نہیں کسی اور کے بارے میں بات کر رہا تھا۔

"آپ کے ساتھ کوئی اور ہے؟" اپنی کسی بات کے جواب میں ایک مکمّل خاموشی رکھنے کے باوجود جبریل اُس سے ایک بار پھر پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اُسے وہ اس وقت نارمل نہیں لگ رہی تھی اور اُسے احساس ہوا تھا کہ اُسے اُس کی فیملی میں کسی اور سے بات کرنی چاہیے تھی۔ یا اگر اب کر سکتا تھا تو اب کر لے۔

عائشہ عابدین نے اُس کی بات کے جواب میں نفی میں سر ہلا دیا۔ جبریل اُس کا چہرہ دیکھنے لگا تھا۔ اُسے سمجھ نہیں آیا تھا وہ اُس سے اگلا سوال کیسے کرے۔۔۔ سوال ہونے کے باوجود۔۔۔ فیملی نہیں تھی تو کہاں تھی۔۔۔ وہ کیا سنگل پیرنٹ کے طور پر اسفند کی پرورش کر رہی تھی۔۔۔؟ شوہر اگر نہیں بھی تھا تو کوئی اور تو فیملی میں ہوتا۔۔۔ اُس کی ماں اور بہنیں۔۔۔ وہ مزید کچھ نہیں سوچ سکا۔۔۔

http://Paksociety.com

عائشہ نے یک دم اُس سے کہا تھا "آپ جائیں۔۔۔ میں مینج کر لوں گی سب کچھ۔" اُس کی آواز جیسے کسی گہرے کنویں سے آئی تھی۔۔۔ اُسے پتہ تھا وہ "سب کچھ" کیا تھا اور جبریل کو بھی اندازہ تھا وہ کس طرف اشارہ کر رہی تھی۔

ایک روتی بلکتی ہوئی ماں کو تسلی دینا آسان کام تھا، لیکن بظاہر ہوش و حواس میں نظر آتی ایک خاموش گم صم ماں کو تسلی دینا اُس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ صرف چند منٹوں کے لئے اُس بچے کی فیملی سے ملنے آیا تھا اور اب یہ ملاقات ختم کرنا اُس کے لئے پہاڑ بن گیا تھا۔ اُس نے زندگی میں پہلی بار کسی مریض کو مرتے نہیں دیکھا تھا، لیکن کسی بچے کو پہلی بار مرتے دیکھا تھا۔۔۔ عائشہ عابدین سے مل نہیں کر رہا تھا نہ ہی وہ اسفند کی موت کا ذمّہ دار تھا، اس کے باوجود یہ lead کر اُس کا رنج کچھ اور بڑھا تھا۔۔۔ وہ اُس آپریشن کو احساس اُس کا ساتھ چھوڑنے پر تیّار نہیں تھا کہ اُس آپریشن میں ڈاکٹر ویزل سے کچھ غلطی ہوئی تھی، آپریشن کے فوراً بعد ڈاکٹر ویزل اور اُس کی بات چیت نہیں ہو سکی تھی۔ وہ عجیب اضطراب اور پریشانی کے عالم میں وہاں سے گئے تھے۔ سب کا اندازہ تھا وہ اس آخری آپریشن کی ناکامی سے اپ سیٹ ہوئے تھے، صرف جبریل تھا جس کا خیال تھا وہ خود بھی اپنی غلطی کا اندازہ لگا چکے تھے لیکن اب اس صورت حال کے درمیان وہ پھنسا کھڑا تھا۔۔۔ ضمیر کی چبھن اور انسانی ہمدردی۔۔۔ لیکن اُس سے بھی بڑھ کر شناسائی کا وہ پرانا تعلق جو اُس کے اور عائشہ عابدین کے درمیان نکل آیا تھا۔

"کوئی دوست ہے یہاں آپ کا؟" جبریل اب اُس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ اُسے ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ اُسے پہچانی ہے یا نہیں اور اُسے اس صورت حال میں اپنا تعارف کروانا چاہیے یا نہیں۔

"نہیں" عائشہ نے سر جھکائے اُسے دیکھے بغیر کہا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھے اُن پر نظریں جمائے سر جھکائے بیٹھی تھی۔۔۔ جبریل اُس کے برابر والی کُرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے بے حد نرمی سے عائشہ کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ عائشہ نے عجیب وحشت بھری نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔

"میرا خیال ہے، ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" اُس کا ہاتھ بڑی نرمی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے جبریل نے اُس سے کہا تھا۔ وہ اُسے رلانا نہیں چاہتا تھا لیکن اُس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اُسے اندازہ ہوا تھا کہ اُسے اس وقت پھوٹ پھوٹ کر رونے کی ضرورت تھی۔۔۔ سکتے کی وہ کیفیت غیر فطری تھی۔

http://Paksociety.com

"میں جبریل سکندر ہوں۔۔۔نسا کا کلاس فیلو اور دوست۔۔۔اور مجھے بہت افسوس ہے کہ ہم اسفند کو نہیں بچا سکے۔" وہ مدہم آواز میں اُس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔عائشہ نے گردن موڑ کر بھی اُس کو نہیں دیکھا تھا۔وہ اس وقت کسی کو پہچاننا نہیں چاہتی تھی، خاص طور پر ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو۔

"مجھے بتائیں میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟" جبریل نے اُس کے ہاتھوں کی ٹھنڈک محسوس کی تھی، یوں جیسے اُس نے برف کو ہاتھ میں لے لیا تھا، وہاں گئے ٹمپریچر بھی عائشہ عابدین کے وجود کی ٹھنڈک کو غائب کرنے میں ناکام ہو رہا تھا۔

Please love me alone، میری وجہ سے اپنا وقت ضائع نہ کریں۔۔۔آپ ڈاکٹر ہیں، کسی کو آپ کی ضرورت ہو گی۔

اُس نے جبریل کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے رُک رُک کر اُس سے کہا تھا۔وہ اب اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں کے بیچ دبا کر بیٹھ گئی تھی۔۔۔یوں جیسے یہ چاہتی نہ ہو کہ کوئی اُس کا ہاتھ پکڑے، اُسے تسلی دے۔کرسی کی edge بیٹھی اپنے وجود کو جوتوں کے پنجوں پر ٹکائے وہ آگے پیچھے جھول رہی تھی یوں جیسے کسی گہری سوچ میں کسی ذہنی انتشار میں ہچکولے کھا رہی ہو۔

وہ پہلی بار تھا کہ جبریل نے عائشہ عابدین کو غور سے دیکھا تھا۔۔۔بے حد حیرانی کے عالم میں۔۔۔سیاہ جینز اور سیاہ ہی جیکٹ میں ملبوس گردن کے گرد ایک گرے رنگ کا مفلر لپیٹے اُس کی ہم عمر وہ لڑکی اب اُس کی ہم عمر نہیں لگ رہی تھی۔۔۔اُس کے کندھوں سے نیچے تک لہراتے سیاہ چمکدار بالوں میں جگہ جگہ سفید بال تھے۔۔۔اُس کی رنگت زرد تھی اور آنکھیں سُرخ۔۔۔یوں جیسے وہ عادی رونے والوں میں سے تھی یا پھر ساری ساری رات جاگنے والوں میں سے۔۔۔اُس کے سر پر وہ حجاب بھی نہیں تھا جو سالوں پہلے اُس کی پہچان تھا۔۔۔ڈاکٹر نورین الٰہی کے خاندان میں وہ حجاب لینے والی پہلی اور واحد لڑکی تھی اور بے حد اچھی خاندانی اقدار رکھنے کے باوجود جبریل جانتا تھا کہ نسا اور اُس کے خاندان کا رجحان مذہب کی طرف نہیں تھا۔صرف عائشہ عابدین تھی جو مذہبی رجحان اور بے حد واضح طور پر ایسی ہی پہچان بھی رکھتی تھی اور اُس کی وجہ شاید اُس کا پاکستان میں قیام پذیر ہونا تھا، یہ جبریل کا اندازہ تھا۔عائشہ سے اُس کی کبھی اتنی تفصیلی ملاقاتیں نہیں ہوئیں کہ اُسے اُس کی شخصیت کا صحیح اندازہ ہو پاتا۔۔۔وہ جس عمر میں اُس سے ملا تھا، وہ ٹین ایج تھی اور اُس عمر میں اُسے بات بات پر مسکرانے اور بلش کرنے والی وہ لڑکی عنایہ اور رئیسہ جیسی ہی لگی تھی۔۔۔اُس نے اس سے زیادہ غور اس پر نہیں کیا تھا، اس کے باوجود کہ وہ اُس کے فیس بک پر موجود تھی اور کبھی کبھار اُس کی تصویروں کو لائیک کرتی نظر آتی تھی، پھر وہ غائب ہو گئی تھی۔اُسے نسا سے پتہ چلا تھا کہ میڈیسن کی تعلیم کے دوران ہی اُس کی شادی ہو گئی تھی اور اُس وقت جبریل نے مبارک باد کا میسج اُس کی وال پر لگانا چاہا تو اُسے پتہ چلا کہ وہ اب اُس کے contacts میں نہیں تھی۔۔۔عائشہ عابدین سے اُس کا وہ پہلا تعارف بس یہی تک ہی رہا تھا۔۔۔نسا اور وہ بہت جلد دو مختلف سٹیٹس کے ہاسپٹلز میں چلے گئے تھے۔۔۔اُن کے درمیان

ایک دوست اور کلاس فیلو کے طور پر موجود رشتہ بھی کچھ کمزور پڑنے لگا تھا۔۔۔نسا اب کہیں engaged تھی اور جبریل اپنے پروفیشن میں بے حد مصروف۔۔۔اور اس تیز رفتار سے گزرنے والی زندگی میں عائشہ عابدین کسی سپیڈ بریکر کی طرح آئی تھی۔

جبریل نے اُس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اپنا سیل فون نکال کر اُس میں سے نسا کا نمبر ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ چند لمحوں میں اُسے نمبر مل گیا تھا۔

"کیا میں نسا کو فون کر کے بلاؤں؟" اُس نے عائشہ سے کہا "نہیں" جبریل اُس کا چہرہ دیکھ کر رہ گیا۔ وہ عجیب تھی یا ہو گئی تھی، جبریل کی سمجھ میں نہیں آیا یا پھر یہ صدمہ تھا جس نے اُسے یوں بے حال کر دیا تھا۔

جبریل کو لوگوں پر ترس آتا تھا ہمیشہ ہی۔۔۔ ہمدردی اُس کی گھٹی میں تھی لیکن اس کے باوجود وہ ایک معروف ڈاکٹر تھا، ایک ایک اُس نے وہاں بیٹھے بیٹھے سوچا تھا، وہ ہاسپٹل کے متعلقہ شعبے سے کسی کو یہاں بھیجتا ہے تاکہ وہ عائشہ عابدین منٹ دیکھ کر چلنے والا۔۔۔ کی مدد کرے اور اُس کی فیملی کے دوسرے افراد سے رابطہ کر سکے۔ وہ اُٹھنے لگا تھا جب اُس نے عائشہ عابدین کی آواز سُنی تھی۔

"آپ کو پتہ ہے میرے ساتھ یہ سب کیوں ہوا ہے؟" وہ رُک کر اُسے دیکھنے لگا، وہ اُس کی طرف متوجہ نہیں تھی، لیکن خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھی۔

"کیوں کہ میں اللہ کی نافرمان عورت ہوں، اللہ نے مجھے سزا دی ہے۔ احسن سعد ٹھیک کہتا ہے۔" جبریل اُسے دیکھتا رہا گیا تھا۔ عائشہ عابدین نے جیسے وہ بوجھ اتار کر اُس کے سامنے پھینکنے کی کوشش کی تھی جو اُس کے لئے آزار بن گیا تھا۔ احسن سعد کون تھا، جبریل نہیں جانتا تھا اور وہ اُس کے بارے میں جو کہتا تھا، جبریل اُس کی وجہ سے بھی ناواقف تھا۔ مگر اُس کے وہ دو جملے اُس دن اُس کے پیروں کی زنجیر بن گئے تھے۔

*****

گاڑی بالآخر پورچ میں آ کر رُکی اور اندر سے امامہ بڑی تیز رفتاری سے باہر نکلی تھی۔ گاڑی تب تک رُک چکی تھی اور اُس کی اگلی سیٹ سے ایرک اُتر رہا تھا۔ پہلی نظر میں امامہ اُسے پہچان نہیں سکی۔ وہ واقعی بدل گیا تھا۔ لمبا تو وہ پہلے بھی تھا، لیکن اب وہ پہلے کی طرح بہت دبلا پتلا نہیں رہا تھا۔

اُس کے ہاتھوں میں دو گلاب کی کلیوں اور چند سبز شاخوں کا ایک چھوٹا سے بُکے تھا۔۔۔ ہمیشہ کی طرح۔۔۔ امامہ کو یاد تھا وہ بچپن میں بھی اکثر اُسے اسی طرح ایک چیزل اور دو پتوں والی شاخیں اکثر دیتا تھا۔۔۔ جب بھی اُسے کسی خاص موقع پر ملنے آتا تو۔۔۔ اور بعض دفعہ وہ پورا "گلدستہ" اُس کے گھر کے لان سے ہی بنایا گیا ہوتا تھا۔

ایرک اُس سے سلام کے بعد گلے ملنے کے لئے بے اختیار آگے بڑھا پھر جھینپ کر خود ہی ٹھٹھکا، شاید اُسے کوئی خیال آ گیا تھا۔۔۔ امامہ نے آگے بڑھ کر تھپکنے والے انداز میں اُس کے گرد بازو پھیلایا تھا۔

"میں تمہیں پہچان ہی نہیں سکی، تم بڑے ہو گئے ہو۔۔۔ بہت بدل بھی گئے ہو۔" اُس نے ایرک سے کہا، وہ مسکرایا۔

"لیکن آپ نہیں بدلیں۔۔۔ آپ ویسی ہی ہیں۔" وہ ہنس پڑی تھی "سننے میں کتنا اچھا لگتا ہے کہ کچھ نہیں بدلا۔۔۔ حالانکہ سب کچھ بدل گیا ہے۔ میں بھی بوڑھی ہو گئی ہوں۔" وہ ہنس رہی تھی۔

"اب شاید بڑھاپے کی definition بدل گئی ہو گی۔" ایرک نے برجستگی سے کہا، وہ پھر ہنس پڑی۔

"یہ آپ کے لئے۔" ایرک نے اُسے وہ چھوٹا سا گلدستہ تھمایا تھا۔

"تمہاری عادتیں نہیں بدلیں۔۔۔ لیکن پھول بدل گیا ہے۔" امامہ نے گلدستہ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا "کیونکہ ملک بدل گیا ہے۔" اُس نے دوبدو کہا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک کہا تم نے۔۔۔ سامان کہاں ہے تمہارا؟" امامہ کو یک دم خیال آیا وہ گاڑی سے اس گلدستے اور ایک چھوٹے بیگ کے علاوہ خالی ہاتھ اُترا تھا۔

"ہوٹل میں۔۔۔ میں وہیں رہوں گا، بس آپ سے ضروری ملاقات کرنی تھی، اس لئے آیا ہوں۔" ایرک نے اُس کے ساتھ اندر جاتے ہوئے کہا۔

"پہلے تم ہمیشہ ہمارے پاس آیا کرتے تھے اور یہیں رہتے تھے، اس بار کسی اور کے پاس آئے ہو کیا؟" امامہ کو لگا تھا وہ شاید پاکستان اپنے کسی پروفیشنل کام سے آیا تھا۔

نہیں کسی اور کے پاس تو نہیں آیا لیکن بس مجھے لگا اس بار کسی ہوٹل میں رُک کر بھی دیکھنا چاہیے۔" وہ بات گول کر گیا تھا۔"

وہ لنچ کا وقت تھا اور اُس نے صبح جب فون پر اُس سے ملاقات کے لئے بات کی تھی تو امامہ نے لنچ کے کھانے پر خاص اہتمام کیا تھا۔ ایرک کو جو چیزیں پسند تھیں، اُس نے بنوائیں تھیں اور ایرک نے اُس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے بڑے شوق سے کھانا کھایا تھا۔

لنچ کے دوران گپ شپ میں ایرک اور اُس کے درمیان ہر ایک کے بارے میں بات ہوئی تھی سوائے عنایہ کے۔۔۔ ایرک نے اُس کا ذکر تک نہیں کیا تھا اور امامہ نے یہ بات نوٹس کی تھی۔۔۔ حوصلہ افزا تھی یہ بات لیکن پتہ نہیں کیوں اُسے غیر معمولی لگی تھی۔۔۔ اور اُس کی چھٹی حس نے اُسے جو سگنل دیا تھا، وہ ٹھیک تھا۔

لنچ کے بعد چائے کا آخری سپ لے کر کپ رکھتے ہوئے ایرک نے اپنے بیگ سے ایک لفافہ نکال کر اُس کے سامنے میز پر رکھ دیا تھا۔ امامہ ابھی چائے پی رہی تھی، وہ بُری طرح ٹھٹھکی تھی۔

"یہ کیا ہے؟"

"آپ دیکھ لیں۔"

"اُس نے امامہ سے کہا، پلک جھپکتے اُس خوبصورت لفافے کو کھولنے سے بھی پہلے۔۔۔ اُس کے چہرے سے مسکراہٹ یک دم غائب ہو گئی تھی، وہ اس ایک لمحے کو avoid کرنا چاہ رہی تھی اور وہ پھر بھی سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ لفافے کے اندر ایک خوبصورت کاغذ پر بے حد خوبصورت طرزِ تحریر میں ایرک نے وہی لکھا ہوا تھا جس کا اُسے خدشہ تھا۔ وہ عنایہ کے لئے اس کی طرف سے ایک فارمل پروپوزل تھا۔ اس وعدے کے ساتھ کہ وہ اُسے بہت خوش رکھے گا اور آفر کے ساتھ کہ وہ اس پروپوزل کے لئے اُن کی تمام شرائط قبول کرنے پر تیار ہے۔

امامہ کی نظریں کچھ دیر اُس کاغذ پر جمی رہیں اور ایرک کی اُس پر۔ پھر امامہ نے کاغذ کو اُس لفافے میں واپس ڈال کر اُسے میز پر رکھ دیا تھا۔ ایرک سے اب نظر ملانا اور سامنا کرنا یک دم مشکل ہو گیا تھا۔ اُس نے بالآخر ایرک کو دیکھا، وہ سنجیدہ تھا اور گفتگو کا آغاز اُسی نے کر دیا تھا۔

"آپ نے کئی سال پہلے مجھ سے کہا تھا میں پڑھ لکھ کر کچھ بن جاؤں پھر آپ سے اس بارے میں بات کروں اور تب تک میں عنایہ سے بھی اس موضوع پر کبھی بات نہ کروں۔ دیکھیں میں نے آپ کی دونوں شرائط پوری کی ہیں۔" اُس نے کہا تھا اور اُس کے دونوں جملوں نے امامہ کے لئے جواب کو اور بھی مشکل کر دیا تھا۔

"میں جانتا ہوں مسز سالار، آپ کے لئے میں ایک بہت مشکل انتخاب ہوں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ایک بُرا انتخاب ثابت نہیں ہوں گا۔" ایرک نے جیسے اُس کی مشکل بھانپتے ہوئے خود ہی اُسے یقین دہانی کروانے کی کوشش کی تھی۔

وہ اُس کا چہرہ دیکھتی رہی، وہ اچھا لڑکا تھا۔۔۔ بُرا ہوتا تو اُسے بُرا بھلا کہنا کتنا آسان ہوتا۔۔۔ امامہ نے دل میں سوچا تھا۔۔۔ وہ انکار کی ہر وجہ اپنی طرف سے ختم کر آیا تھا۔۔۔ مسلمان بھی ہو گیا تھا، ایک اچھے پروفیشن میں بھی تھا۔ خاندانی اعتبار سے بھی اچھا تھا۔ امامہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ پھر بھی اُسے انکار کیا کہہ کے کرے۔۔۔ یہ کہہ کے کہ اُسے خوف اور خدشات تھے، اُس کے نو مسلم ہونے کے حوالے سے۔۔۔ یا یہ کہے کہ وہ صرف ایک پاکستانی سے عنایہ کی شادی کرنا چاہتی تھی جو اُس کے اپنے کلچر سے واقف ہو۔۔۔ اُس کے ذہن میں اس وقت جوابات جیسے بھاگ رہے تھے اور کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو تسلی بخش ہوتا لیکن اس کے باوجود اُسے ایک جواب تو ایرک کو دینا ہی تھا۔

"تم بہت اچھے ہو ایرک۔" امامہ نے بالآخر اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "عبداللہ!" اُس نے امامہ کو بیچ میں ٹوک کر جیسے اُس کی تصحیح کی۔ وہ ایک لحظہ کے لئے خاموش ہوئی پھر اُس نے جیسے بڑی مشکل سے اُس سے کہا، عبداللہ۔۔۔ تم بڑے اچھے لڑکے ہو اور میں تمہیں پسند کرتی ہوں لیکن عنایہ کے حوالے سے ابھی کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے، میں نہیں جانتی عنایہ تمہارے پروپوزل کے حوالے سے کیا سوچتی ہے۔۔۔ اُس کی پسند ناپسند بے حد اہم ہے۔" وہ جملہ ادا کرتے ہوئے بھی امامہ کو احساس ہو رہا تھا وہ ایک بے تکی بات کر رہی تھی۔۔۔ اگر بات عنایہ کی پسند ناپسند کی تھی، تو پھر رشتہ پکا تھا۔ ایرک کے لئے اُس کی پسندیدگی بہت واضح تھی۔

"میں نے عنایہ سے پہلے اس لئے بات نہیں کی کیوں کہ آپ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا، میں یہ بات جب بھی کروں گا، آپ سے ہی کروں گا۔" اُس نے امامہ کی بات کاٹ کر جیسے اُسے یاددہانی کروائی تھی۔

"میں سالار سے بات کروں گی، تم دو ہفتے پہلے آ جاتے تو اُن سے تمہاری ملاقات ہو جاتی۔۔۔ وہ یہیں تھے کچھ دن۔" امامہ نے جواباً کہا تھا، فوراً ہاں کہہ دینے سے یہ بہتر تھا۔

"وہ جہاں بھی ہوں گے، میں اُن سے ملنے جا سکتا ہوں، میں جانتا ہوں وہ بڑے مصروف ہیں لیکن پھر بھی۔" ایرک نے اُس سے کہا "آپ کو تو میرے پروپوزل پر کوئی اعتراض نہیں ہے نا؟" وہ یک دم خوش ہوا تھا اور اُس کے چہرے پر چھلکنے والی خوشی اور اطمینان نے جیسے امامہ کو احساسِ جُرم دیا تھا۔

http://Paksociety.com

"میں نے تمہیں بتایا ہے عبد اللہ تم بہت اچھے ہو، لیکن میری خواہش ہے کہ عنایہ کی شادی جس سے بھی ہو، وہ صرف نام کا مسلمان نہ ہو، نیک ہو، دین دار ہو، سمجھ بوجھ رکھنے کے ساتھ ساتھ دین کی تعلیمات پر عمل بھی کرتا ہو۔ امامہ نے بالآخر اُس سے کہنا شروع کیا، وہ بے حد سنجیدہ تھی۔ وہ اُس کی بات بے حد غور سے سُن رہا تھا۔"

"مرد کو دین کا پتہ نہ ہو تو عورت کے لئے بہت مسئلہ ہو جاتا ہے۔ یہ ایک پوری نسل کی تربیت کی بات ہوتی ہے۔ ہم لوگ لبرل مسلمان ہیں لیکن بے دین اور بے عمل نہیں ہیں اور نہ ہی ایسے ہونا چاہتے ہیں، نہ اپنی اگلی نسلوں کے لئے یہ چاہتے ہیں۔ مجھے نہیں پتہ تم کتنے practicing ہو اور اسلام کے بارے میں تمہارے concepts کتنے واضح ہیں لیکن عنایہ بہت مذہبی ہے۔۔۔ میں نہیں چاہتی اُس کی شادی کسی ایسی جگہ ہو جہاں میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کی وجہ مذہبی اعتقادات اور اُن پر عمل کا ہونا یا نہ ہونا ہو۔" وہ کہتی جا رہی تھی۔

تمہیں شاید پتہ نہ ہو لیکن میں بھی نو مسلم تھی۔ اپنے مذہب کو ترک کر کے اسلام کی صحیح تعلیمات اختیار کی تھیں میں نے۔۔۔ فیملی، بڑے مسائل کا سامنا کیا تھا۔۔۔ یہ آسان نہیں تھا۔" اُس کی آواز بُھرّا گئی تھی، وہ رُکی اپنی آنکھیں پونچھتے وہ گھر سب چھوڑا تھا۔۔۔ ہنسی یوں جیسے اپنے آنسوؤں کو چھپانا چاہتی ہو۔

مسلمان practicing یہ آسان کام نہیں تھا۔" اُس نے دوبارہ کہنا شروع کیا "لیکن سالار نے بہت آسان کر دیا میرے لئے۔۔۔ وہ ہے اور میں اپنی بیٹی کے لئے اُس کے باپ جیسا مسلمان ہی چاہتی ہوں، زندگی میں اتنی تکلیفیں برداشت کر کے اتنی لمبی جدوجہد کے بعد میں اپنی اگلی نسل کو پھر سے بے دین اور بے عمل دیکھنا نہیں چاہتی۔ تم مسلمان تو ہو لیکن شاید اسلام کی تعلیمات میں اتنی دلچسپی نہ ہو کیوں کہ مسلمان ہونے کی تمہاری وجہ ایک لڑکی سے شادی ہے۔ شادی ہو جائے گی تمہاری دلچسپی دین میں ختم ہو جائے گی۔۔۔ کچھ عرصہ بعد شاید تمہیں یہ بھی پروا نہ رہے کہ تم مسلمان ہو۔ حرام اور حلال کے درمیان جو دیوار ہم اُٹھا کر رکھتے ہیں، تمہارے لئے وہ اُٹھانا ضروری نہ ہو۔۔۔ محبت بہت دیر پا چلنے والی شے نہیں ہے، اگر دو انسانوں کے بیچ عادات، اعتقادات اور خیالات کی خلیج ہو تو۔" ایرک نے اُس کی گفتگو کے درمیان اُسے ایک بار بھی نہیں ٹوکا تھا، وہ صرف خاموشی سے اُس کی باتیں سنتا رہا۔

"تم کسی ویسٹرن لڑکی سے شادی کر لو تو تمہاری بہت اچھی نبھے گی۔۔۔" وہ اب اُسے جیسے مشورہ دیتے ہوئے راستہ دکھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

"کوئی اچھی مسلمان لڑکی جو وہیں سے ہو۔" اس بار اُس نے اس لمبی گفتگو کے دوران پہلی بار امامہ کو ٹوکا۔

"وہ جو بھی ہو گی، آپ کی بیٹی تو نہیں ہو گی مسز سالار۔" امامہ خاموش ہو گئی۔

"آپ نے اچھا کیا یہ سب کچھ کہا مجھ سے۔۔۔ جو بھی آپ کے خدشات ہیں شخصیت ب اُنہیں دیکھ سکتا ہوں، اور آپ کو وضاحت بھی دے سکتا ہوں۔ نو سال ہو گئے ہیں مجھے عبد اللہ بنے۔۔۔ لیکن مجھے لگتا ہے مسلمان میں بہت پہلے سے تھا۔۔۔ تب سے جب آپ لوگوں کے خاندان سے ملنا شروع ہوا تھا۔۔۔" وہ بہت سوچ سوچ کے ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا۔

"میں بہت زیادہ باعمل اور باکردار مسلمان نہیں ہوں۔۔۔ آپ کے بیٹوں جیسا تو بالکل بھی نہیں ہوں۔۔۔ لیکن اپنے آس پاس نظر آنے والے بہت سے مسلمانوں سے بہتر ہوں۔ نو سال میں میں نے اپنے دین کے حوالے سے صرف حرام اور حلال ہی کو نہیں سمجھا اور بھی بہت کچھ سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے پتہ ہے آپ کبھی قادیانی تھیں، پھر آپ تائب ہو کر مسلمان ہوئیں۔۔۔ مجھ سے یہ مت پوچھیے گا کہ یہ مجھے کس نے بتایا لیکن میں یہ جانتا ہوں اور اس لئے آپ سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ آپ مجھ سے زیادہ ہمدردی رکھیں گی۔ آپ کی طرح میں بھی اپنی اگلی نسل کو اچھا انسان اور مسلمان دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔ صرف مسلمان نہیں۔۔۔ اس لئے آپ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ ایک اچھی دین دار عورت ہی ایک اچھے گھرانے کی بنیاد رکھتی ہے۔۔۔ یہ بھی دین نے ہی بتایا ہے مجھے۔" امامہ اُس کی باتیں سُن رہی تھی، عبد اللہ اُس کے انکار کو بہت مشکل کرتا جا رہا تھا۔ وہ جو بھی اُس سے کہہ رہا تھا، وہ clarity کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"مجھے عنایہ بہت اچھی لگتی ہے، محبت کرتا ہوں اُس سے لیکن شادی کا فیصلہ صرف محبت کی وجہ سے نہیں کیا نہ ہی مذہب کی تبدیلی محبت کا نتیجہ ہے۔۔۔ میری زندگی میں آپ اور آپ کی فیملی کا ایک بہت پازیٹو رول رہا ہے۔۔۔ میں آپ لوگوں کے مذہب سے بعد میں متاثر ہوا تھا، آپ لوگوں کی انسانیت اور مہربانی سے پہلے متاثر ہوا تھا۔۔۔ اور میری زندگی کے ایک بہت مشکل فیز میں مجھے آپ لوگوں کا حُسنِ سلوک یاد ہے۔۔۔ ایک ایک چیز۔۔۔ آپ کہیں تو میں دہرا سکتا ہوں۔۔۔ میں اُس مذہب کے awe میں آ گیا تھا جو ایسے خوبصورت انسان بنانے کی صلاحیت اور قدرت رکھتا تھا۔۔۔ میں اُس وقت بہت چھوٹا تھا، آپ لوگوں کے لئے جو محسوس کرتا تھا، اُسے آپ لوگوں کو بتا نہیں سکتا تھا۔ اب اتنے سالوں بعد مجھے موقع ملا ہے تو میں بتا رہا ہوں۔" وہ رُکا۔۔۔ سر جھکائے بہت دیر خاموش رہا۔

(اگلے حِصہ کے لئے یہاں کلک کریں)

http://Paksociety.com

قسط نمبر 22

تبارک الذی حصہ دوم

"آپ لوگ میری زندگی میں نہ آتے تو میں ایک بہت بُرا انسان بنتا۔۔۔ پاپا کی موت کے بعد میں ویسے ہی تھا جیسے سمندر میں ایک چھوٹی سی کشتی جس کی کوئی سمت نہیں ہوتی۔۔۔ ڈوب جاتی تو ڈوب جاتی۔۔۔ میں اُس وقت بہت دعا کیا کرتا تھا کہ مسٹر سکندر کو کچھ نہ ہو، اُن کا ٹریٹمنٹ صحیح ہو جائے کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا آپ کے گھر میں وہ تکلیف آئے جس سے میں اور میری فیملی گزر رہی تھی۔۔۔" وہ چپ ہو گیا۔ امامہ بھی بول نہیں سکی۔۔۔ پانی دونوں کی آنکھوں میں تھا اور درد بھی۔۔۔ اور دونوں دونوں چیزیں چھپانے کی کوشش میں تھے۔

"میں پاکستان صرف آپ سے بات کرنے اور یہ سب بتانے کے لئے آیا ہوں۔۔۔ آپ نے اپنی بیٹی کی تربیت بہت اچھی کی ہے۔ وہ بہت عزت اور حیا والی ہے اور میں نے اتنے سالوں میں اُس کے لئے محبت کا جذبہ رکھنے کے باوجود اُن حدود کا احترام کیا ہے جو آپ نے اُس کے لئے طے کی ہیں اور جسے اُس نے کبھی نہیں توڑا۔ میں آپ کی بیٹی کو اتنی ہی عزت اور احترام کے ساتھ اپنی زندگی اور گھر کا حصہ بنانا چاہتا ہوں۔" عبداللہ نے اپنے بیگ سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکال کر اُس لفافے کے اوپر رکھ دی جو اُس نے میز پر رکھا تھا۔

اُس خوبصورت لفافے کے اوپر ایک خوبصورت سُرخ ڈبیا میں عنایہ سکندر کا نصیب تھا جو اُتنا ہی خوبصورت تھا۔ نم آنکھوں کے ساتھ امامہ اُس ڈبیا سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔ اُس کی مرضی سے کبھی کچھ نہیں ہوتا تھا، لیکن جو بھی ہوتا تھا وہ بہترین ہوتا تھا۔

*****

"ring خوبصورت ہے پر نقلی ہے۔" حمین نے ڈنر ٹیبل پر بیٹھے فش اور چپس کھاتے ہوئے ڈبیا کو رئیسہ کی طرف سرکایا، جو سلاد کا ایک پیالہ کھاتے ہوئے اس کی بات سُن رہی تھی۔

کُھلی ہوئی ڈبیا کو بند کرتے ہوئے اُس نے اُسی ہاتھ سے اپنے گلاسز ٹھیک کیے اور بڑے تحمل سے کہا۔

"I know"

وہ فش اور چپس تقریباً نگل رہا تھا اور ساتھ ٹی وی لاؤنج میں سکرین رگبی کا ایک میچ دیکھ رہا تھا۔

رئیسہ ویک اینڈ گزارنے وہاں آئی تھی، امریکہ واپس آنے کے بعد اور اگلے دن عنایہ بھی وہاں پہنچ رہی تھی اور اس وقت ایک فاسٹ فوڈ سے ہوم ڈیلیوری کروانے کے بعد وہ کھانا کھانے میں مصروف تھے جب رئیسہ نے وہ انگوٹھی اُسے دکھائی تھی۔

"تم نے کسی کو دینی ہے یا تمہیں کسی نے دی ہے؟" حمین نے میچ دیکھتے دیکھتے چلی ساس کی بوتل تقریباً اپنی پلیٹ میں خالی کرتے ہوئے اُس سے پوچھا۔

"ہشام نے دی ہے۔" رئیسہ نے کسی تمہید کے بغیر مدہم آواز میں بے حد سنجیدگی سے کہا۔ اس بار حمین نے سکرین سے نظریں ہٹالی تھیں۔

"جب وہ واپس آئے گا تو میں اُسے واپس کر دوں گی۔" اُس نے ایک لمحہ کے توقف کے بعد اُسی سانس میں کہا۔

"مطلب؟" حمین اب سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"اُس نے مجھے پروپوز کیا ہے لیکن میں نے اُس کا پروپوزل قبول نہیں کیا۔ میں چاہتی ہوں پہلے دونوں فیملیز آپس میں بات کر لیں۔" رئیسہ نے اُسے مختصراً بتایا۔

"لیکن ہشام تو ابھی اپنی فیملی کے ساتھ بحرین میں ہو گا۔ اُس کی فیملی کیا وہاں سے آ کر بات کرے گی؟" حمین نے جواباً اُس سے پوچھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہشام اور اُس کی فیملی کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔

تین دن پہلے بحرین میں ہونے والے رائل فیملی کے اُس پلین کریش میں وہاں کے حکمران اور اُس کی فیملی کے چھے افراد کی ہلاکت ہوئی تھی۔ بحرین کا حکمران ہشام کا تایا تھا اور اُس حادثے کی اطلاع ملنے کے فوری بعد ہشام اپنی فیملی کے ساتھ بحرین چلا گیا تھا۔ رئیسہ بھی اُس کے ساتھ ہی امریکہ واپس آئی تھی۔

"ہشام تو آ جائے گا اگلے ہفتے لیکن اُس کی فیملی ابھی رہے گی وہاں۔" رئیسہ نے اُس سے کہا۔

"تو پھر کیا ہو گا؟" حمین نے دوبارہ چپس کھانا شروع کرتے ہوئے کہا۔

"اسی لئے تو تم سے بات کر رہی ہوں، تم بتاؤ۔" رئیسہ نے اُسے جواباً کہا۔

"ممی کریں گی صاف صاف دوٹوک انکار۔" چلی ساس میں مچھلی کا ٹکڑا ڈبوتے ہوئے حمین نے جیسے مستقبل کا نقشہ دو جملوں میں اُس کے سامنے کھینچا۔

"ہاں مجھے پتہ ہے۔" رئیسہ نے گہرا سانس لیا "تمہیں پسند تو نہیں ہے نا؟" حمین نے اُس سے اس طرح سرسری سے انداز میں پوچھا جیسے یہ کوئی عام سی بات تھی۔

"ہے" اُس نے یک لفظی جواب دیا اور ایک پورا زیتون اُٹھا کر نگلا۔

"Too Bad" حمین نے جیسے افسوس کرنے والے انداز میں کہا۔

عنایہ اور عبداللہ کا پتہ ہے تمہیں اس کے باوجود تم نے۔۔۔ رئیسہ نے اُس کی بات کاٹی، ہشام پیدائشی مسلمان ہے "لیکن بحرینی ہے بلکہ عرب ہے۔" حمین نے اُسے بات مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

"ویسے تو وہ امریکی ہے۔" رئیسہ نے جیسے مدافعانہ انداز میں کہا "امریکی تو ممّی کو ویسے ہی زہر لگتے ہیں۔" حمین نے بے حد اطمینان سے تصویر کا ایک اور تاریک پہلو اُسے دکھایا۔

"اسی لئے تم سے بات کر رہی ہوں۔" رئیسہ نے سلاد کھانا بند کر دیا۔

"تم ایک بات بتاؤ، تمہیں صرف وہ پسند ہے یا محبت وغیرہ ہے؟" رئیسہ نے اُسے جواباً گھورا۔

"صرف جنرل نالج کے لئے پوچھ رہا ہوں۔" حمین نے مدافعانہ انداز میں بے اختیار کہا۔

"یہ جنرل نالج کا سوال نہیں ہے۔" رئیسہ نے جتانے والے انداز میں کہا۔

"کامن سینس کا ہو گا پھر۔۔۔ وہ تو میری ویسے ہی خراب ہے۔" پلیٹ صاف کرتے ہوئے حمین نے بے حد اطمینان سے کہا۔

"تم کچھ کر سکتے ہو یا نہیں؟" رئیسہ نے اُس کو اگلا جملہ بولنے سے پہلے کہا۔

میں صرف کوشش کر سکتا ہوں لیکن اس کا فائدہ نہیں۔۔۔ لیکن سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تم میری ملاقات ہشام سے کراؤ۔۔۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں تمہارے حوالے سے وہ دراصل کتنا سیریس ہے۔

"وہ میں کروا دوں گی، وہ مسئلہ نہیں ہے۔" رئیسہ نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔

اور اگر ممّی یا بابا نہیں مانتے پھر۔۔۔؟" حمین نے یک دم اُس سے کہا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی، پھر اُس نے کہا۔

"مجھے وہ اچھا لگتا ہے لیکن ایسی جذباتی وابستگی نہیں ہے کہ میں اُسے چھوڑ نہ سکوں۔"

"اچھے کی امید رکھنی چاہیے لیکن بدترین کے لئے تیار رہنا چاہیے۔۔۔ بابا کو اعتراض نہیں ہو گا، لیکن ممّی کا میں کہہ نہیں سکتا، کوشش کروں گا۔۔۔ لیکن ہشام نے اپنی فیملی سے بات کی ہے تمہیں پروپوز کرنے سے پہلے؟ کیوں کہ اگر اس کی